بندہ قادرم و ہم مرید عبد القادر ۞ ہست نامم امیر غلام قادر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا حبیب الالٰہ خذ بیدی

ما لعجزی سواک مستندی

مجموعہ قادریہ

توضیح الکلام

فقیر محمد عالم قادری عفی عنہ

فی منع القراۃ

خلف الامام

---

(۲) مسئلہ تقبیل الابہامین (۳) مسئلہ طہارت چاہ (۴) تحریری بحث السلام علیک کر (۵) فتویٰ جہر ذکر بعد نماز (۶) سوالات دربارہ علم غیب۔

:- پبلشر :-

(مولوی) غلام محمد جماعتی نقشبندی (ضلع گجرات)

آفتاب برقی پریس امرتسر میں باہتمام شیخ غلام حیدر پرنٹر چھپی

کاتب:- (ملک) اللہ دتا قریشی ...

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ العَلِیِّ الرَّبِّ الحَکِیمِ الَّذِی جَعَلَ فَوقَ کُلِّ ذِی عِلمٍ عَلِیمٌ وَجَعَلَ العُلَمَاءَ وَالفُقَهَاءَ وَرَثَۃَ الاَنبِیَاءِ وَالمُرسَلِینَ لَم یُوَرِّثُوا دِینَارًا وَلَا دِرہَمًا وَاِنَّمَا وَرَّثُوا طُرُقَ التَّعَلُّمِ وَالتَّعلِیمِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَرَسُولِہِ الرَّؤُفِ الرَّحِیمِ الکَرِیمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحبِہِ الَّذِینَ ہُم کَالسَّفِینَۃِ وَالنُّجُومِ وَمَن تَمَسَّکَ بِہِم اِستَحَقَّ الثَّوَابَ المُقِیمَ ۔ **اما بعد**

یَقُولُ العَبدُ الضَّعِیفُ المُذنِبُ الاَثِیمُ رَاجِی رَحمَۃِ رَبِّہِ الغَفُورِ الرَّحِیمِ خادمِ علماءِ حنفیت وخاکپائے صوفیہ صافیہ غلام قادر سلّمہُ اللہ العلی القادر من کل عنید وغادر ایک ماہ سے زائد عرصہ ہوا ہے۔ کہ مجھ کو ایک دوست کی معرفت ایک رسالہ جس کا نام احسنُ الکلام فی اثبات قراءت خلف الامام ہے ملا۔ اور مطالعہ سے معلوم ہوا۔ کہ موئف رسالہ حکیم صدر الدین صاحب شاگرد مولانا مولوی عبد الجبار صاحب نے بخیال خود احقاق حق اور اثبات مدعیٰ میں آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور کتب فقہیہ سے اس قدر دلائل و براہین پیش کئے ہیں کہ ان کے خمار اور سکر میں ایسا مدہوش اور مخمور ہوا۔ کہ اپنی تحریر و تقریر کے حسن و قبیح کے معلوم کرنے سے بھی عاجز اور قاصر رہا۔ چنانچہ بینندہ رسالہ کی زبان سے بے ساختہ یہ آواز اور صدا بلند ہوتی ہے۔ کہ مضمون رسالہ سوال از آسمان وجواب از ریسماں خیزد کا مصداق ہے۔ موئف نے اپنے رسالہ کو (فَاقرَءُوا مَا تَیَسَّرَ مِنَ القُراٰنِ) کے ساتھ جو سورۂ مزمل میں مکرر واقع ہے۔ شروع کرکے چند سطروں کے بعد لکھا ہے۔ کہ یہ ہر دو آیات حنفیہ کے اصول مسلمہ پر واسطے اثبات فرضیت قراءت کے دلیل قطعی ہے۔ اس دلیل قطعی کا ناسخ یا مخصص نہیں پایا گیا۔ سوائے آیہ کریمہ کے (وَاِذَا قُرِئَ القُراٰنُ فَاستَمِعُوا لَہٗ وَاَنصِتُوا لَعَلَّکُم تُرحَمُونَ) علماء حنفیہ نے بیان کیا ہے۔ کہ یہ آیت آیات مذکورہ بالا کی ناسخ نہیں۔ اس کے بعد موئف نے توضیح وتلویح اور نور الانوار سے عبارتیں نقل کرکے یہ امر ثابت کیا ہے۔ کہ آیات مذکورہ بالا اصول حنفیہ کے مطابق آپس میں متعارض نہیں۔ چنانچہ نور الانوار میں ہے۔ [illegible] قولہ تعالیٰ فَاقرَءُوا مَا تَیَسَّرَ مِن

القرآن مع قولہ تعالیٰ واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون ۰ فان الاول بعمومہ یوجب القراءۃ علی المقتدی والثانی بخصوصہ ینفیہ وقد وردا فی الصلوٰۃ جمیعاً فتساقطا فیصار الی حدیث بعدہ وھو قولہ صلعم من کان لہ امام فقراءۃ الامام قراءۃ لہ۔ صفحہ ۱۶۴ - پھر لکھتا ہے۔ دیں کتب اصول فقہ حنفیہ سے معلوم ہوا کہ آیت اذا قرئ القرآن ناسخ فاقرءوا ما تیسر کی نہیں ورنہ رجوع الی السنۃ کی کیا حاجت تھی۔ اور یہ حدیث عند الحفاظ ضعیف اور معلول ہے (چنانچہ اس حدیث شریف کا ضعیف ہونا تقریب التہذیب۔ میزان الاعتدال اور مسند امام اعظم سے نقل کیا ہے۔ عبارت یہ ہے (اور کتاب تقریب التہذیب صفحہ ۲۷ و میزان الاعتدال باب ج میں اور مسند امام اعظم صفحہ ۱۱ میں لکھا ہے۔ کہ اس حدیث میں جابر جعفی راوی ہے۔ وہ ضعیف ہے۔ قال الامام الاعظم ما رأیت احدا من رأیتہ افضل من العطاء ولا اکذب من جابر جعفی)

مولف کی کم علمی ہے

جو شخص اپنے آپ کو مؤلفین کے زمرہ میں شامل کرنا چاہے۔ اس کو لازم ہے۔ کہ دورانِ تحریر میں جس امر کی نفی یا اثبات کے درپے ہو۔ اس کی تحقیق اور تنقیح میں تساہل اور تکاسل سے کام نہ لے۔ بلکہ اپنے معلومات کے مطابق پوری پوری کوشش کرکے چیز تحریر میں لائے۔ تاکہ آخر الامر ندامت اور شرمندگی نہ اٹھانی پڑے مگر مؤلف رسالہ کا طرزِ عمل بالکل اس کے برخلاف ہے۔ کیونکہ جو بات لکھی ہے۔ بالکل بے تحقیق۔ بلکہ رجما بالغیب کی مصداق ہے۔ مثلاً یہی دیکھو۔ کہ من کان لہ امام والی حدیث شریف کو ضعیف اور معلول ثابت کرکے یہ بتلایا کہ یہ حدیث شریف قابل عمل نہیں۔ مگر بصد افسوس لکھا جاتا ہے۔ کہ مؤلف صاحب لا تقربوا الصلوٰۃ کے پورے پورے عامل ہیں۔ اگر یہ حدیث شریف اس سند کی وجہ سے جس میں جابر جعفی ہے ضعیف ہے۔ تو نہ ہمیں مضر اور نہ خصم کو مفید کیونکہ یہ حدیث شریف بطرق متعددہ مروی ہے۔ جن میں سے ایک سند صحیحین کی شرط پر اور ایک سند مسلم کی شرط پر ہے۔ قال احمد بن منیع

فی مسندہ ثنا اسحٰق الازرق ثنا سفیان الازرق ثنا
سفیان وشریک عن موسی ابن ابی عائشہ عن عبد اللہ ابن
شداد عن جابر قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من کان
لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ قال حدثنا جریر عن موسی بن ابی
عائشہ ہٗ فذکرہ وقال محمد بن الحسن فی موطاہ ثنا ابو حنیفہ ثنا
ابو الحسن موسی بن ابی عائشہ عن عبد اللہ بن شداد عن جابر
رضی اللہ عنہ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال من کان خلف امامٍ
فان قراءۃ الامام لہ قراءۃ مذکورہ بالا سندوں میں سے سند اول صحیحین
اور سند ثانی مسلم کی شرط پر ہے۔ ھکذٰ احقق مولوی وحید الزمان تلمید
مولوی عبد الحی فی اشراق الابصار فی تخریج احادیث نور الانوار صفحہ ۲۳۔ پھر
مولوی وحید الزمان دارقطنی اور بیہقی اور ابن عدی سے اس حدیث شریف
کا مرفوعاً ضعیف ہونا نقل کرکے تحریر فرماتے ہیں۔
وجوابنا ان الامام اسندہ قارۃ کما رواہ محمد بن حسن عنہ ما سندہٗ
شریک وسفیان فی روایۃ احمد بن منیع والزیادۃ من الثقۃ مقبولۃ
ولو ارسل فلا ضیر لان المرسل عندنا حجۃ ولہ رواہ عبد بن حمید
عن ابی نعیم عن حسن بن صالح عن الزبیر عن جابر عن النبی صلے اللہ
علیہ وسلم و اسناد حدیث جابر الاول صحیح علے شرط الشیخین
واسناد الثانی علے شرط مسلم (بقدر الحاجۃ)
اگر پوری پوری تفصیل دیکھنی منظور ہو۔ تو اصل کتاب کو دیکھو۔ یعنی اشراق
الابصار صفحہ ۲۱ اور مولوی عبد الحلیم صاحب والد مولوی عبد الحی صاحب لکھنوی
قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار میں اس حدیث شریف کی نسبت یہ تحریر فرماتے
ہیں۔ قولہ من کان لہ الخ کذا رواہ ابن منیع لبسند الصحیح عن جابر
کذا قال علی القاری واوردہٗ الزیلعی فی شرح الکنز
اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ من کان لہ امام والی حدیث شریف صحت میں
شیخین کی حدیث سے بھی بالاتر ہے۔ لہٰذا اس کے ہوتے ہوئے حدیث

بخاری کی طرف رجوع کرنے کی حاجت نہیں۔ لہٰذا مؤلف کی یہ تحریر (پس جبکہ آئیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ عند الحنفیہ ناقابل احتجاج ٹھری۔ تو مسئلہ قرأۃ کا مدار حدیث پر ٹھہرا۔ تو اس صورت میں حدیث بخاری کی جانب رجوع کرنا پڑا) ہباءً منثورا ہو گئی یعنی باطل ہو گئی۔

مؤلف کی نافہمی:۔

مؤلف صاحب توضیح تلویح اور نور الانوار کی عبارتیں نقل کرکے خوش تو ہو گئے مگر اتنا تو معلوم نہ کیا۔ کہ ان کا کیا مدعا ہے۔ اور میں کیا سمجھ رہا ہوں۔ جناب من آیۃ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ میں دو عموم ہیں۔ اول عموم قاری (پڑھنے والا) جو فَاقْرَءُوْا سے مستفاد ہے۔ کیونکہ خطابات شرعیہ عام ہیں۔ دوسرا عموم مقروء (قراءات) جو کلمہ مَا کا مفہوم ہے۔ پس صاحب توضیح اور نور الانوار جو مَا بین آیتین مذکورتین میں تعارض ثابت کر رہے ہیں۔ تو بنظر عموم اول ہے۔ نہ بلحاظ عموم ثانی کیونکہ آیت وَاِذَا قُرِئَ الخ میں کوئی مضمون مخالف عموم ثانی نہیں۔ لہٰذا بنظر عموم ثانی آیتین مذکورتین کے درمیان کوئی تعارض نہیں۔ پس مؤلف کا اس مقام میں حدیث لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ پیش کرنا غیر صحیح ہے کیونکہ اس سے مقصود اصلی تعمیم مقروء یعنی سورہ فاتحہ ہے۔ (ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا) اور نیز یہ حدیث شریف اس شخص پر صادق آتی ہے۔ جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔ اور مقتدی بحکم حدیث مَنْ کَانَ لَہٗ اِمَامٌ حکما قاری ہے۔ فافھم وَلَا تَکُنْ مِّنَ الْغَافِلِیْنَ۔

مؤلف کی جہالت

مؤلف کو اپنی علمیت پر اس قدر ناز ہے۔ کہ اس کے خمار میں مخمور ہو کر اَنَا خَیْرٌ کی صدا بلند کر رہے ہیں۔ اور اپنی بیخودی کا ہی یہ نتیجہ ہے۔ کہ اہل حق یعنی حنفیہ پر بایں الفاظ طعن کر رہے ہیں۔ (سبحان اللہ مذہب ہو تو ایسا ہو جن کو قرآن شریف ہی نہیں آتا صفحہ ۲۳) ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ کبھی مؤلف نے نور الانوار اور توضیح تلویح کو دیکھا۔ تو شومئے قسمت سے اس کی نظر فصل المعارضۃ یا تعارض پر جا پڑی۔ تو دریائے غیظ و غضب لے جوش مارا سر پر بھوت سوار ہوا اور دل میں سمایا۔ کہ آؤ

اب موقع ہے۔ اہل حق پر بے جا طعن وتشنیع کرکے اپنا نامۂ اعمال سیاہ کرلیں۔ ایسی حالت میں انصاف اور عقل کا نزدیک آنا تو قریباً دشوار اور مشکل تھا۔ پھر یہ کہاں ہو سکتا تھا۔ کہ اتنا دیکھ لیتے۔ کہ اہل حق کے نزدیک تعارض یا معارضہ کے کیا معنے ہیں؟ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مؤلف نے اپنے دل سے معارضہ کے معنے ٹکرانا یا ٹھوکر کھانا کئے ہیں۔ اور یہ سمجھا۔ کہ معارضہ بین الحجتین نفس الامر میں ہوتا ہے۔ یہ مؤلف کی سراسر جہالت یا تجاہل ہے۔ کیونکہ تعارض بین الحجتین حقیقت میں نہیں ہوتا۔ بلکہ بسبب نہ معلوم ہونے ناسخ اور منسوخ کے ہم کو متعارض معلوم ہوتی ہیں۔ دیکھو نور الانوار صفحہ ۱۶۳

وَ اِنَّمَا یَقع التعارض بین الحجج فیما بیننا لجھلنا بالناسخ والمنسوخ والا فلا تعارض فی نفس الامر لان احدھما یکون منسوخاً والاخر ناسخا وکیف یقع التعارض فی کلام اللہ تعالےٰ لان ذالک من امارات العجز تعالی اللہ عن ذالک علوا کبیرا) اور تعارض کے معنے دو دلیلوں کا ایسی صورت میں متقابل ہونا کہ ایک کو دوسری پر ذاتاً یا صفتاً کچھ زیادتی نہ ہو۔ دیکھو نور انوار صفحہ مذکور (فرکن المعارضۃ تقابل الحجتین علے السواء لا مزیۃ لاحدھما علی الاخر فی الذات والصفۃ الخ) اس بیان سے ماننا بدر منیر ہویدا ہوگیا۔ کہ مؤلف نے تعارض کے جو معنے کئے ہیں۔ بالکل غلط اور باطل ہیں۔ اس معنے کی بنا پر مؤلف نے جو برے الفاظ حنفیہ کے حق میں استعمال کئے تھے۔ ان سب کا مصداق خود مؤلف اور اس کے ہمخیال ثابت ہوئے۔ اہل حق ان الفاظ سے بالکل بری اور پاک ہیں۔ لکن الوھابیین قوم لا یفقھون ۵

مؤلف کی نافہمی

مؤلف نے اس بات پر بہت زور دیا ہے۔ کہ لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب میں جو لا ہے۔ وہ نفی جنس کے لئے ہے۔ نہ کہ نفی کمال کے لئے؛ چنانچہ لکھتا ہے (بعضے کہتے ہیں لا نفی کمال کیلئے ہے۔ یعنی بغیر فاتحہ کے نماز ناقص ہوتی ہے۔ کامل نہیں ہوتی ہو جاتی ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں۔ کہ کلمہ لا واسطے نفی جنس کے ہے۔ چنانچہ لا الٰہ الا اللہ م اس دعوے کے ثبوت میں دو آیتیں اور چند حدیثیں پیش کی ہیں۔ مگر مؤلف صاحب حنفیہ کی مخالفت میں ایسے مدہوش اور سرشار ہیں۔ کہ اتنا بھی معلوم نہیں کر سکتے کہ میں جو کچھ تحریر

کر رہا ہوں۔ یہ حنفیہ کے مخالف ہے۔ یا خود میرے مدعا کے مناقض۔ ثابت تو یہ کر رہے ہیں۔ کہ جس نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے۔ فرض ہو۔ یا نفل سنت ہو یا وتر ناجائز اور باطل ہے۔ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی۔ مگر وہ احادیث جو بطور دلائل پیش کر رہے ہیں۔ ان میں تین حدیثیں ایسی بھی نقل کر گئے ہیں۔ جو سراسر مؤلف کے مدعا کے برخلاف ہیں کیونکہ تینوں میں لفظ خداج موجود ہے۔ جس کے معنے ناقص ہیں نہ باطل اور خود مؤلف نے بھی یہی معنے کئے ہیں۔ (یعنی وہ ناقص ہے) پس مؤلف کی پیش کردہ حدیثیں آپس میں متعارض ہیں (عدو شود سبب خیر چوں خدا خواہد) لہٰذا ہم کو جواب دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جبتک کہ مؤلف ان حدیثوں کے درمیان تطابق و توافق نہ ثابت کرے۔ یہ خداوند کریم کی اہل حق یعنی حنفیہؒ پر کمال عنائت اور رحمت ہے۔ کہ مؤلف کی تحریر سے ان کے مذہب کی تائید اور تاکید ہو رہی ہے۔ اور مؤلف کے دل میں خیال تک بھی نہیں آتا۔ کہ میں کیا لکھ رہا ہوں۔ اور یہ خیال آتا بھی کیوں؟ اِنَّ الْوَهَّابِيَّة قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ

مؤلف کا بہتان

مؤلف کا یہ لکھنا (نوٹ:۔ فقہ کی کتابوں میں تحریر ہے۔ کہ قراءۃ فاتحہ امام کو بھی ضروری نہیں۔ جیسا کہ شرح وقایہ اور منیۃ المصلّی وغیرہ میں مسطور ہے) حنفیہ پر بہتان ہے۔ کیونکہ ہماری کسی کتاب میں کتب فقہ میں سے بایں اطلاق ہرگز نہیں لکھا۔ کہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا امام کو بھی ضروری اور لابدی نہیں۔ بلکہ فقہ کی کتابوں میں یہ لکھا ہے۔ کہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا امام اور منفرد کو واجب ہے۔ سہواً ترک کرنے سے سجدۂ سہو اور عمداً چھوڑنے سے نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ دیکھو شرح وقایہ صفحہ ۱۳۲ واجبها قراءة الفاتحة اور ہدایہ میں ہے۔ ردّ نیهلوا حبّا کقراءة الفاتحة) البتہ کتب فقہ میں یہ مسطور ہے۔ کہ فرضوں کی آخیری رکعتوں میں امام اور منفرد کو سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب نہیں۔ بلکہ اختیاری ہے۔ کہ الحمد پڑھیں یا کوئی اور دُعا۔ یا چپ رہیں۔ اور سورہ فاتحہ پڑھنا بہتر ہے۔ دیکھو شرح وقایہ صفحہ ۱۸۲ (ویقرأ فیها بعد الاولیین الفاتحة فقط وهی افضل و ان سبّح او سکت جاز) مولوی عبدالحی صاحب عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح۔

وقایہ میں لکھتے ہیں۔ (قولہ فقط لایضم السورۃ لما اخرجہ الستۃ الا الترمذی عن ابی قتادۃ کان رسول اللہ یقرأ فی الاولیین من الظہر والعصر بفاتحۃ الکتاب وسورتین وفی الاخریین بفاتحۃ الکتاب۔ ھذا ھو السنۃ کما فی الموطا الخ) پھر تحریر فرماتے ہیں۔ قولہ جاز لما روی محمد فی الموطا ان ابن مسعود کان لا یقرأ فی الاخریین اخرجہ ابن ابی شیبۃ الخ صفحہ ۱۸۴ اور مولوی عبدالحی صاحب تعلیق الممجد میں تحریر فرماتے ہیں۔ قولہ ان تقرأ الخ فقد ھو الغالب ما علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما اخرجہ الستۃ الا الترمذی عن ابی قتادۃ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الاولیین من الظہر والعصر بفاتحۃ الکتاب وسورتین وفی الاخریین بفاتحۃ الکتاب وفی اخرجہ الطبرانی فی معجمہ عن جابر بن عبد اللہ قال سنۃ القراءۃ فی الصلوۃ ان یقرأ فی الاولیین بام القرآن وسورۃ وفی الاخریین بام القرآن الخ پھر لکھتے ہیں۔ قولہ اجزاک لما مر من روایۃ بن مسعود انہ کان لا یقرأ فی الاخریین شیئا واخرجہ ابن شیبۃ عن علی رض وبن مسعود انہما قالا اقرأ فی الاولیین وسبح فی الاخریین الخ صفحہ ۱۰۲۔ اور ابو قتادہ کی حدیث شریف بروایۃ شیخین مشکوۃ باب القراءۃ فصل اول میں بھی موجود ہے۔ صفحہ ۷۱ گمان غالب بلکہ قریب یقین ہے کہ مؤلف نے حنفیہ کی کتب میں اوسی مقام کو جہاں فقہا رحمہم اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ فرضوں کی اخیر رکعتوں میں سورہ فاتحہ یا کوئی دعا پڑھنا یا خاموش رہنا جائز ہے۔ دیکھ کر یہ بہتان اور افترا قایم کیا۔ اور (مرا خواندی وخود بدام آمدی۔ نظر پختہ تر کن کہ خام آمدی) کے مصداق بن گئے۔ کیونکہ مؤلف کی اس عبارت سے جو اوپر نقل کی گئی ہے۔ ایک طرف تو مؤلف کا علم حدیث اور علم فقہ سے بے نصیب اور بے بہرہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف مؤلف پر (ومن یکسب خطیئۃ او اثما ثم یرم بہ بریئا فقد احتمل بہتانا واثما مبینا) صادق آتا ہے۔ اس لئے قصور تو خود مؤلف کا ہے کہ دوران تحریر میں تحقیق سے کام نہ لیا۔ بلکہ سنی سنائی باتوں کے لکھنے پر آمادہ ہو گئے۔ پھر اپنے اس جرم کو ان لوگوں کی طرف منسوب کیا۔ جو اس جرم سے بالکل پاک صاف ہیں۔ یعنی حنفیہ اگر مؤلف صاحب اپنے اس دعوے میں سچے ہیں کہتے

ہیں۔ تو کتب فقہ حنفیہ میں سے وہ عبارت تحریر کریں۔ جس میں لکھا ہے۔ کہ سورۂ فاتحہ پڑھنا امام کو ضروری نہیں اور رکعتین اخیرین کی قید نہ ہو۔

(مؤلف کا مغالطہ)

جو لوگ دیندار اور دیانتدار ہوتے ہیں۔ اور اُن کی بصارت اور بینائی ظلمات تعصب سے بالکل صاف اور بری ہوتی ہے۔ وہ لوگ اپنی تحریر یا تقریر کے ذریعہ سے کسی شخص کو عموماً اور عوام (کالانعام) کو خصوصاً دہوکہ اور فریب دیکر اپنا مدعا ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ بلکہ راست بازی اور صداقت پر عمل پیرا ہوکر مسئلہ کی اصل صورت لوگوں کے سامنے پیش کرنا سعادت دارین اور فلاح کونین جانتے ہیں اسی لئے اِن کی تصانیف مسلمانوں کے لئے باعث ہدایت اور فوز و فلاح ہو جاتی ہیں۔ اور جن لوگوں کی قوت شنوائی اور بینائی خودغرضی اور مطلب براری کی مرض میں مبتلا ہوکر کالعدم ہوگئی ہو۔ اور اُن کے دلوں پر بفحوائے (کلا بل ران علی قلوبھم تکبر اور عجب اور خودبینی کے زنگ نے غالب ہوکر (ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھواہ وکان امرہ فرطا) کے مصداق بنا دیا ہو۔ یہ لوگ شب و روز اسی جدوجہد اور سعی میں مصروف رہتے ہیں۔ اور یہی ان کا مطمح نظر ہوتا ہے۔ کہ جس طرح ہوسکے عوام کو ایسے طریق سے مغالطہ اور فریب میں مبتلا کرنا چاہیئے۔ کہ وہ راہ راست سے منحرف ہوکر تیہ ضلالت میں جا پڑیں۔ اور اپنے مقصود اصلی یعنی فلاح کونین سے محروم اور بے نصیب ہو جائیں۔ چنانچہ مؤلف رسالہ بھی اسی جماعت اور اسی گروہ میں سے ہے۔ کیونکہ وہ اپنے اس رسالہ میں جابجا فریب دہی اور دغابازی اور مکاری کو اپنا دستور العمل بناکر یہ لکھ دیتا ہے۔ کہ حنفیوں کی فلاں فلاں کتاب میں یہ مسئلہ یوں لکھا ہے۔ حالانکہ اُن عبارتوں کا مطلب اور مضمون کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ جیساکہ بارہا دکھلایا گیا ہے۔ اب پھر دیکھو۔ کہ مؤلف اپنی عادت مستمرہ کے مطابق عوام کو فریب دینے کی غرض سے یوں تحریر کرتا ہے۔ کہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ کہ امام محمدؒ کے نزدیک امام کے پیچھے الحمد پڑھنا جائز ہے۔ عبارت یہ ہے۔ (اور امام محمدؒ کے نزدیک الحمد پڑھنا پیچھے امام کے جائز ہے صفحہ ۱۰۱) مؤلف کا مجمل طور پر یہ لکھنا سراسر ابلہ فریبی اور دہوکہ بازی سے کام لینا ہے۔ کیونکہ مابین فریقین متنازعہ فیہ امر یہ ہے۔ کہ آیا مقتدی کو خلف امام سورۂ فاتحہ کا

پڑھنا فرض ہے۔ یا نہیں عند الحنفیہ مقتدی کو قراءۃ سورہ فاتحہ فرض یا واجب ہونا
درکنار سنت بھی نہیں۔ بلکہ مقتدی کو سننا اور چپ رہنا لازمی اور پابندی ہے
اور فریق ثانی فرضیت کا قائل ہے۔ اور مؤلف رسالہ بھی یہی ثابت کر رہا ہے اور ہدایہ کی
اس عبارت سے وَیَستَحسِنُ عَلٰی سَبِیلِ الاحتیاطِ فیما یروی عن محمد استحباب
بھی ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ قول بچند وجوہ ضعیف اور غیر معتبر ہے۔ وجہ اول صاحب ہدایہ نے اس
عبارت سے پہلے بدلائل ثابت کیا ہے۔ کہ مقتدی کو الحمد کا پڑھنا فرض نہیں۔ دوئم وجہ
خود مؤلف ہدایہ نے مذکورہ بالا عبارت کے بعد یوں تحریر کیا ہے (وَیکرہ عندھما لما فیہ
من الوعید) اور صاحب ہدایہ کا اس عبارت کو پہلی عبارت کے بعد لاتے ہیں یہ ثابت
کرنا مقصود ہے۔ کہ روائیت اول بالکل متروک اور غیر مفتی بہ ہے۔ کیونکہ مصنف ہدایہ کی ہدایہ
میں یہ عادت ہے۔ کہ جب دلائل کو بیان کرتے ہیں۔ تو اس دلیل کو جو قوی اور قابل
عمل ہوتی ہے۔ بعد میں لاتے ہیں۔ تاکہ یہ دلیل اُن دلائل کا جو اس سے پہلے مذکور ہیں
جواب واقع ہو۔ دیکھو مقدمہ ہدایہ مولفہ مولوی عبدالحی صاحب صفحہ ۳۔ وجہ سوم مصنف
ہدایہ نے اس روائیت کو جو امام محمدؒ کی طرف منسوب ہے۔ بالکل بے دلیل بیان کیا ہے۔ بلکہ
نہ کتاب کا حوالہ ہے۔ اور نہ روائیت کنندہ کا نام۔ اور شیخین کی روائیت کو مدلل طور پر
تحریر کیا ہے۔ یعنی لما فیہ من الوعید وجہ چہارم۔ صاحب بحرالرائق نے ہدایہ کی مذکورہ
بالا عبارت کو نقل کر کے لکھا ہے۔ کہ صاحب غایۃ البیان نے اس پر بایں طور اعتراض کیا
ہے۔ کہ امام محمدؒ اپنی تصنیف میں قراۃ خلف الامام کے عدم جواز کی تصریح فرما کر یوں
رقمطراز ہیں۔ کہ ہم اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور یہی مذہب ہے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ
علیہ کا پھر صاحب بحرالرائق اس اعتراض کے جواب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا
ہے۔ کہ صاحب ہدایہ نے اس بات کو جزما بیان نہیں کیا۔ کہ قول امام محمدؒ ہے۔ بلکہ ہدایہ
کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ ایک روائیت ضعیف ہے۔ عبارتہ "ہذا وتعقبہ فی
غایۃ البیان بان محمد صرح فی کتبہ بعدم القراءۃ خلف الامام فیما یجھر و
فیما لا یجھر فیہ وقال بہ ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ ویجاب
عنہ بان صاحب الھدایۃ لم یجزم بانہ قول محمد بل ظاھر
عبارتہ انہ روایۃ ضعیفۃ" اس کے بعد بحرالرائق میں بحوالہ فتح القدیر یوں مسطور ہے

اور حق یہ ہے۔ کہ مذہب امام محمدؒ مطابق مذہب شیخین ہے۔ اور دعوی احتیاط قراۃ خلف الامام ممنوع ہے۔ بلکہ احتیاط ترک قراۃ میں ہے۔ کیونکہ ممنوعیت کے دلائل قوی تر ہیں۔ اُن دلائل سے جو جواز پر دال ہیں۔ بحر صفحہ ۳۴۳ خلاصہ مضمون یہ ہے۔ کہ مؤلف رسالہ ایسی روایات ضعیفہ اگرچہ حنفیوں کی سو کتابیں نقل کرے۔ ہرگز اپنے مدعی میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ جب تک فرضیت قراۃ فاتحہ علی المقتدی کتب حنفیہ سے ثابت نہ کرے۔ اذ لیس فلیس تبینہ ولا تکن من الغافلین۔

اختلال حواس مؤلف

جو لوگ دیندار اور حق شناس اور راست گو ہوتے ہیں۔ اور اُن کے دل نورِ ایمان سے منور اور محبتِ خدا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیاء سے روشن اور پُر نور ہوتے ہیں۔ اُن کا طریق اور طرزِ عمل یہ ہوتا ہے۔ کہ اپنے ہر ایک کام کو نہایت کوشش اور احتیاط سے کرتے ہیں۔ حتی الامکان جد و جہد کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔ خصوصاً مسائل دینیہ کو اپنے علم اور معلومات کے مطابق طاقت بشری کو پورے طور پر صرف کرکے جب یعنی تحریر اور تقریر میں لاتے ہیں۔ کیونکہ اگر مسائل شرعیہ کو تقریراً یا تحریراً غلط پیرایہ میں اہل اسلام کے روبرو پیش کیا جائے۔ تو جتنے لوگ اس غلط راستہ پہ چلیں گے۔ سب کا گناہ اور وبال بیان کنندہ کی گردن پہ ہوگا اور جن اشخاص کے قلوب بفحوائے (ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور) اندھے اور بے نور ہوں (او ریھدی اللہ لنورہ من یشاء) کے انوار سے کلیتہً بے بہرہ اور بے نصیب ہو کر (ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور) کے مصداق ہوگئے ہوں۔ وہ لوگ امور دینیہ میں تغافل اور تکاسل اور تجاہل کو اپنا دستور العمل بنا کر مسائل شرعیہ کے بیان کرنے میں تحقیق اور تنقید کو خیرباد کہدیتے ہیں۔ اور عدل و انصاف کو اپنے قریب تک نہیں آنے دیتے۔ خردمندی اور دانائی کی ضد کے ساتھ موصوف ہونا ان کی طبعیت ثانیہ بن جاتی ہے۔ ایسی حالت میں جو اقوال و افعال ان سے صادر ہوتے ہیں۔ محتاج بیان نہیں۔ مؤلف احسن الکلام میں مذکورہ بالا اوصاف من کل الوجوہ ثابت و موجود ہیں۔ چنانچہ اس کی تقریر اور تحریر سے ظاہر ہے۔ والشرف الیہ غیر مرۃ۔ از آنجملہ مؤلف کا ضمیمہ کے صفحہ ۲۱ پر بطور سوال و جواب لکھنا

رآیۃ وَاِذَا قُرِئَ القُرآنُ فاستَمِعُوا لَہٗ وَاَنصِتُوا لَعَلَّکُم تُرحَمُونَ مسلمانو
کے حق میں آئی ہے۔ کہ الحمد پیچھے امام کے نہ پڑھا کرو۔ جواب یہ آیت اُن لوگوں کے
حق میں آئی ہے۔ جو بوقت پڑھنے قرآن شریف کے غل مچاتے تھے۔ چونکہ وہ کافر
تھے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَقَالَ الَّذِینَ کَفَرُوا لَا
تَسمَعُوا لِھٰذَا القُرآنِ وَالغَوا فِیہِ لَعَلَّکُم تَغلِبُونَ۔ کہا کافروں نے نہ سنو۔
قرآن شریف کو غل مچاؤ بیچ اس کے تاکہ تم غالب ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب
دیا۔ کہ جس وقت قرآن شریف پڑھا جاوے۔ سنو تاکہ تم پر رحم کیا جاوے) بھی قابل
غور ہے۔ کیونکہ یہ مولف کے تبحر علمی کی اوّل دلیل ہے۔ اس عبارت کے دیکھنے سے
مولف کا مبلغ علم نمایاں طور پر ہویدا ہو جاتا ہے۔ مولف نے مذکورہ بالا عبارت میں
اپنے اجتہاد پر اعتماد کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے۔ کہ آیت وَاِذَا قُرِئَ القُرآنُ الخ کا
نزول کافروں کے حق میں ہے۔ نہ مسلمانوں کے حق میں کسی کتاب کا کتب تفاسیر و احادیث
اور فقہ سے حوالہ تک نہیں دیا۔ جس سے یقینی طور پر یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ گیا ہے۔ کہ اس
آیت کا شان نزول مولف صاحب نے اپنے اجتہاد سے ثابت کیا ہے۔ ورنہ حوالہ دینا
ضروری اور لابدی تھا۔ مولف کی مذکورہ بالا تحریر تفسیر بالرائی میں داخل ہے۔ اور
تفسیر بالرائے کرنے والے کے حق میں سخت وعید اور ترہیب شدید وارد ہے۔ اس
بارے میں احادیث کثیرہ ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث یہاں نقل کی جاتی ہے۔
عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللہُ عَنہُم قَالَ قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّے اللہُ عَلَیہِ وَ
سَلَّمَ مَن قَالَ فِی القُرآنِ بِرَأیِہٖ فَلیَتَبَوَّأ مَقعَدَہٗ مِنَ النَّارِ معالم صفحہ،
اور خازن میں بھی یہ حدیثیں موجود ہیں۔ اس مقام میں یہ بات معلوم کرنی بھی ازحد
ضروری اور لازمی ہے۔ کہ وہ کون سی تفسیر ہے۔ کہ جس کے کرنے سے انسان وعید
مذکور کا مستحق اور سزاوار بن جاتا ہے۔ سو جاننا چاہیئے۔ کہ اہل تفسیر اپنی اصطلاح
میں دو لفظ استعمال کرتے ہیں۔ تاویل اور تفسیر (۱) استنباط کے طور پر آیت کو ایسے معنے
کی طرف پھیرنے کو جس کا وہ احتمال رکھتی ہے۔ اور اس کے ماقبل و مابعد کے موافق ہونیکے
باوجود کتاب و سنت کے مخالف نہ ہو تاویل کہتے ہیں۔ اس طور پر آیت کے معنے بیان
کرنیکی شرعاً اہل علم کے لیئے رخصت ہے۔ آیات اور سورۃ کے اسباب نزول اور شان اور قصہ

ہیں کلام کرنے کا نام تفسیر ہے۔ تفسیر بایں معنے بجز سماعت از صحابہ وتابعین غیر صحیح اور
ناجائز ہے۔ یعنی جب تک مذکورہ بالا باتیں صحابہ اور تابعین سے بسند صحیح ثابت نہ ہوں۔ کوئی
شخص اپنے عقل اور رائے کے مطابق ثابت نہیں کر سکتا۔ دیکھو معالم تنزیل ص۳ فَاَمَّا
التاویل وَھُوَ صرف الآیۃ الی معنے یحتمل موافقاً لما قبلھا وما بعدھا غیر مخالف
الکتاب وَالسُّنَّۃ وھو الکلام فی اسباب نزول الآیۃ وشانھا وقصتھا
فلا یجوز الا باسماع بعد ثبوتہ من طریق النقل۔ صاحب تفسیر خازن نے بھی
تاویل اور تفسیر کے وہی معنے کئے ہیں۔ جو بحوالہ معالم اوپر نقل کئے گئے ہیں۔ بعدہٗ
مؤلف تفسیر خازن تاویل اور تفسیر کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہے
کہ تفسیر نقل مسموع پر موقوف ہے۔ اور تاویل فہم صحیح پر۔ والفرق بَیْنَ التفسیر
والتاویل۔ اَنَّ التفسیر یتوقف علی النقل المسموع والتاویل علی
الفھم الصحیح واللّٰہ اعلم۔ صفحہ (۱) بعض اہل علم کا قول ہے۔ کہ آیت کے
سبب نزول کا علم ہونا کوئی ضروری اور لازمی امر نہیں۔ کیونکہ یہ تاریخ کے قائم
مقام ہے۔ لیکن امام جلال الدینؒ اس قول کو ناپسند کرتے ہوئے رقم طراز ہے۔ کہ جو
لوگ اس امر کے قائل ہیں۔ کہ آیت کا سبب اور شان نزول معلوم کرنا کچھ
فائدہ نہیں رکھتا۔ خطا پر ہیں۔ بلکہ شان نزول کی معرفت میں بہت سے فوائد مضمر
ہیں۔ امام جلیل جلال الدین سیوطیؒ نے اس کتاب میں اُن فوائد میں سے ایک فائدہ کے
بیان پر اکتفا کیا۔ اور اس کی تائید میں چند آئمہ کے اقوال پیش کرکے تفسیر اتقان کے
نوع تاسع کا حوالہ دیا۔ عبارتہ ھٰذہ المعرفۃ اسباب النزول فوائد واخطأ
مَن قال لا فائدۃ لہ لجریانہ مجری التاریخ ومن فوائدہ الوقوف علی المعنیٰ
وازالۃ الاشکال صفحہ ۲۔ اور فائدہ یہ ہے۔ کہ آیت کے معنے بخوبی ذہن نشین
ہو جاتے ہیں۔ جملہ شکوک و اشکال زائل ہو جاتے ہیں۔ پھر چند سطور کے بعد لکھتے
ہیں۔ کہ کتاب کے اسباب نزول کا بیان کرنا حلال نہیں ہے۔ مگر ان لوگوں کی روایت
اور سماعت کے اعتماد پر جو نزول قرآن کے وقت حاضر اور اسباب نزول کے
ماہر تھے۔ اور اس کی تحقیق میں بحث و مباحثہ سے کام لیتے رہے۔ ہٰذا عبارتہ قال
الواحدی لا یحل القول فی اسباب نزول الکتاب الا بالروایۃ والسماع ممن

من طریق الاسناد فقط رخص فیہ لاھل العلم۔ فاما التفسیر

شانهٖ وقت التنزیل ووقفوا علی الاسباب وبحثوا عن علمہا صفحہ ۲ - دیکھو
مقدمہ کتاب لباب - النقول فی اسباب النزول للسیوطی یہ کتاب تفسیر جلالین کے
حاشیہ پر مطبوع ہے - آمدم برسر مطلب خود مدعا اور مقصود اصلی یہ امر ہے - کہ آیت واذا
قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون کا سبب اور شان نزول
کیا ہے - کیا یہ آیت مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی ہے - یا کافروں کے بارے میں اس کے
مخاطب اہل ایمان ہیں یا اہل کفر استماع اور التفات عند قراءۃ القرآن کے اختیار کرنے
والوں کے لئے جو رحم کا وعدہ کیا گیا ہے - اس کے مستحق مومن ہیں یا کفار - سو جاننا
چاہیئے - کہ مفسرین اور محدثین کی رائے سے یہ بات واضح طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی
ہے - کہ آیۂ مذکورہ اہل اسلام کے حق میں اتری ہے - کافروں کے ساتھ اس کا کوئی تعلق
نہیں - چنانچہ میرے پاس اس وقت پانچ تفسیریں - خازن - مدارک - معالم - جلالین
حقانی موجود ہیں - ان مفسروں نے گو در بارہ شان نزول اقوال مختلفہ نقل کئے ہیں -
لیکن اس امر پر سب کا اتفاق اور اجتماع ہے - کہ آیۂ مذکورہ مومنوں کے حق میں وارد
ہوئی ہے - کفار کو اس سے کوئی علاقہ نہیں - مذکورہ بالا مفسرین یک قلم اور یک زبان ہو
کر صریح اور واضح طور پر رقم طراز ہیں - کہ آیۂ واذا قرئ القرآن کا مخاطب اور
مورد امت مرحومہ محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والتحیہ ہے - اقوال مفسرین کے علاوہ خود آیۂ
مذکورہ میں جملہ لعلکم ترحمون اس امر کی یقینی اور قطعی دلیل ہے - کہ یہ آیت
ہرگز ہرگز کفار کے بارے میں نہیں آئی - کیونکہ اہل کفر جب تک شہدوا علےٰ
انفسہم بالکفر کے ساتھ موصوف ہوں - کسی طرح اللہ کی رحمت کے مستحق نہیں
ہو سکتے - اور نیز قرآن شریف کے پڑھے جانے کے وقت چپ رہنا اور خشوع اور
خضوع سے سننا منجملہ اعمال صالحہ ہے - اور در بارہ اعمال کفار حبطت اعمالھم
فی الدنیا والاخرۃ فرقان حمید میں جابجا موجود - اندریں حالت کیا ممکن کہ کسی
مسلمان صادق الاعتقاد کے دل میں خیال تک بھی آجائے - کہ اس آیت کا کچھ بھی تعلق
اہل ہنود سے ہے - ہاں البتہ مولف صاحب اور اس کے ہم خیال جنہوں نے اس رسالہ
پر دستخط کئے ہیں - اس بات پر یقین اور ایمان رکھتے ہیں - کہ آیت اذا قرئ
القرآن کا نزول کفار کے لئے ہے - ربہ بین تفاوت راہ از کجا است

تا بجگجا ، الحاصل تمام تفسیروں کی عبارتیں نقل کرنے میں طول کا اندیشہ ہے لہٰذا خازن کی تھوڑی سی وہ عبارت نقل کی جاتی ہے۔ جس سے مدعا حاصل ہے۔ صاحب تفسیر خازن تحریر فرماتے ہیں۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی عظمت اور عزت اور علو شان مومنوں کے لیئے بایں طور بیان فرمائی (ھٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّکُمْ وَھُدًی وَّرَحْمَۃٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ) بعد ازاں اس امر کو معرض بیان میں لایا۔ جو اہل ایمان کے لیئے عند قرأۃ القرآن فرض اور واجب ہے۔ یعنی جب قرآن مجید پڑھا جائے۔ تو تمام گفت و شنید وغیرہ چھوڑ کر بدل و جان اس کے سننے کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ تاکہ تم اس کے فہم معانی اور مواعظ حسنہ میں اچھی طرح غور اور تدبر کر سکو۔ ہذا عبارتہ لما ذکر اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعظم شان القرآن بقولہ ھٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّکُمْ وَھُدًی وَّرَحْمَۃٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ اتبعہ بما یجب من تعظیم شانہ عند قرائتہ فقال سبحانہ وتعالیٰ واذا قرئ علیکم ایھا المومنون القرآن فاستمعوا لہ یعنی اصغوا الیہ باسماعکم لتفھموا معانیہ وتتدبروا مواعظہ وانصتوا یعنی عند قرائتہ والانصات السکوت للاستماع الیٰ اخر ما قال صفحہ ۱۶۲ امام جلال الدین سیوطی لباب النقول میں بحوالہ ابن ابی حاتم وغیرہ اسطرح رقمطراز ہیں۔ کہ کہا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا اُن لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کیساتھ اقتداء کر کے نماز ادا کرنے کی حالت میں اپنی آوازوں کو بلند کیا کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے۔ کہ نماز میں باتیں کرتے تھے۔ عبارت یہ ہے۔ قولہ تعالیٰ وَاِذَا قُرِئَ الخ اخرج ابن ابی حاتم وغیرہ عن ابی ھریرۃ قال نزلت اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا فی رفع الاصوات فی الصلوٰۃ خلف النبی صلے اللہ علیہ وسلم واخرج ایضا عنہ قال کانوا یتکلمون فی الصلوٰۃ فنزلت واذا قرئ القرآن الایۃ واخرج عن عبد اللہ بن مغفل نحوہ واخرج ابن جریر عن ابن مسعود مثلہ لباب النقول صفحہ ۱۲۳ لباب النقول میں اور بھی دو تین حدثیں ہیں مگر سب میں مسلمانوں کا ذکر ہے۔

کفار کا نام تک بھی نہیں فاعلمہ ولا تکن من الذین لا یعلمون۔
احسن الکلام سے یہ چند مقام بطور مشتے نمونہ از خروارے نقل کرکے باقی کو چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ مؤلف کی ہر مسئلہ میں یہی طرز اور یہی روش ہے۔ جس کو شک ہو وہ رسالہ مذکور کو دیکھ کر اپنا شبہ رفع کرسکتا ہے۔ اب میں مؤلف سے چند سوال کرکے اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

مولف رسالہ احسن الکلام کے ضمیمہ میں ایک مکان پر ان بزرگان دین کے اسماء جن کو بخیال خود مجوز قراۃ خلف الامام جانتا ہے۔ تحریر کرتا ہے۔ سب سے پہلے نام نامی واسم گرامی سرور کائنات مفخر موجودات تتمہ دور زبان عالم ما یکون وما کان جناب احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ ومن تبعھم باحسان حیز تحریر میں لایا ہے۔ لہٰذا اسی نور معظم اور ذات مکرم کے متعلق مؤلف سے سوال کیا جاتا ہے۔ سوال اوّل باعث ایجاد کونین سید دارین محبوب رب المشرقین والمغربین جد الحسن والحسین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ ومن سلک سبیلھم مادار القمران نے اپنی بے مثل حیات میں اپنے جانثار غلاموں میں سے کسی کے پیچھے اقتدا کرکے کوئی نماز ادا کی ہے یا نہیں۔ شقین مذکورین میں سے جو شق مؤلف کے نزدیک ثابت اور محقق ہو۔ اس کا ثبوت آیۂ کلام اللہ یا حدیث رسول اللہ علیہ وسلم سے جو صحیح مرفوع متصل ہو۔ بحوالہ کتب بقید صفحہ تحریر کرنا مؤلف پر لازم۔ اگر مؤلف کے نزدیک شق اوّل پایۂ ثبوت کو پہنچے۔ تو مؤلف کو اس بات کا ثابت کرنا از حد ضروری ولابدی ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے درحالت اقتدا سورہ فاتحہ پڑھی ہے یا نہیں بصورتین مذکورین سے جو صورت عند المولف مطابق واقع ہو۔ اس کو مدلل طور پر حیز تحریر میں لانا مؤلف کا فرض اولین ہے۔

(سوال دوم) ایک مسجد میں امام حی مثلاً نماز عشا لوگوں کو پڑھا رہا ہے۔ تو ایک شخص آکر اس وقت جماعت میں شامل ہوتا ہے۔ جب کہ امام سورہ فاتحہ ایاک نعبد و ایاک نستعین تک پڑھ چکا ہے۔ اور اس آنیوالے شخص کو بھی قراۃ فاتحہ عند المؤلف فرض وواجب ہے بجز ایں نماز ناجائز۔ اب شخص مذکور کا سورۂ فاتحہ کو پڑھنا دو حال سے خالی نہیں الحمد سے شروع کریگا

یا اتباعاً للامام اھدنا الصراط المستقیم سے سورت اولے میں یہ قباحت لازم آئیگی۔ کہ جب کہ مقتدی ایاک نعبد و ایاک نستعین تک مثلاً پہنچیگا۔ تو امام ولا الضالین کہے گا۔ تو مقتدی کو بموجب حدیث شریف آمین کہنا سنت۔ اگر کہے تو ترتیب قرآن میں خلل اگر نہ کہے۔ تو مخالف حدیث اور صورت ثانیہ بھی شناعت سے خالی نہیں۔ کیونکہ جب مقتدی نے اھدنا الصراط المستقیم سے شروع کرکے ولا الضالین تک امام کے ساتھ پڑھ لیا۔ تو نصف سورہ فاتحہ جو باقی ہے۔ کس وقت پڑھیگا۔ ھذا ما ظھر لی واللہ اعلم بالصواب والیہ مرجع والماٰب وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

نوٹ:۔ مؤلف کو چاہئیے۔ کہ اس تحریر کا جواب آیۃ کلام قدیم یا حدیث نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے مطابق تحریر کرے۔ لیکن احادیث کے صحیح ضعیف یا موضوع ہونے کا مدار کتب احادیث کو نہ بنائے۔ کیونکہ مؤلف فرقہ نجدیہ وہابیہ سے ہے۔ جن کے نزدیک تقلید حرام یا شرک بلکہ اس امر کو اپنی تحقیق سے کرے۔ ورنہ مشرکین کی جماعت میں شامل ہوگا۔

دستخط

مولنا مولوی ابو محمد محمد دیدار علی صاحب امیر انجمن مرکزی حزب الاحناف ہند لاہور پنجاب۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۵

بوجہ درس طلبہ وتالیف تفسیر مجھ کو اتنی فرصت نہیں کہ سارے رسالہ کو بالاستیعاب دیکھوں۔ مگر جہاں تک بعض مقامات سے دیکھا۔ بہت اچھا لکھا ہے۔ اور حق لکھا ہے اور آیۃ کریمہ فاقرءوا ما تیسر من القرآن سے مطلقاً فرضیت قراءت قرآن خواہ ایک آیۃ ہی ہو ثابت ہوتی ہے۔ اور آیۃ کریمہ اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا چونکہ لفظ انصتوا صراحۃً آیا ہے۔ اس امر سے کہ یہ تاکید استمعوا نہیں۔ بلکہ دونو حکم جداگانہ ہیں۔ اور ظاہر ہے۔ کہ نماز پنجگانہ کے فقط بحالت امامت جہراً اور سراً پڑھنے کے ساتھ بالاتفاق مامور ہے۔ نہ کہ مقتدی اور منفرد اور خارج نماز تلاوت کرنے والے اور مسبوق اسواسطے کہ

بالاتفاق یہ سنت جہری نمازوں میں اور بنیز خارج کا قراءت سری اور جہری میں مختار ہیں۔ مامور بالجہر جہریوں میں اور مامور بالسر سری نمازوں میں فقط امام ہے۔ لامحالہ معنی آیۂ کریمہ یہ ہوئے اذا قریٔ القرآن جہراً فاستمعوا لہ واذا قریٔ القرآن سراً فانصتوا کذا فی فتح القدیر۔ اور ظاہر ہے کہ احادیث کے ساتھ قرآن مجید کا مقابلہ بالاتفاق ناجائز ہے۔ لہٰذا بہرصورت مقصود مجیب رسالہ احسن الکلام حاصل فجزاہ اللہ خیراً فقط محمد دیدار علی از لاہور

دستخط

مولٰنا مولوی و مفتی محمد نعیم الدین صاحب آگرہ عفی عنہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم ہٗ
میں نے اس رسالہ کو بعض مقامات سے دیکھا۔ طرز خوب اسلوب کلام عالمانہ ہے۔ اللہ تعالٰے مصنف کی سعی مشکور فرما دے۔ اور اس کو جزائے خیر عنایت کرے۔ جس نے ابطال باطل کے لیے قلم سے جہاد کیا

محمد نعیم الدین عفی عنہٗ

دستخط

خلف الرشید مولانا مولوی دیدار علیشاہ صاحب مرحوم قدنا سید ابو البرکات سید احمد صاحب

نحمدہٗ و نصلی علٰی حبیبہ الکریم

اما بعد فقیر پرتقصیر سید ابو البرکات سید احمد حفظہ اللہ عن شر کل حاسد برادران اہلسنت کی خدمت میں عرض پرداز ہے۔ کہ بوجہ عدیم الفرصتی رسالہ ہٰذا کو من اولہ الی آخرہ بالاستیعاب بنظر غائر دیکھنے سے قاصر رہا البتہ جابجا بعض مضامین پڑھ کر یہ اندازہ لگایا۔ کہ یہ رسالہ احناف کے لیے اعلٰے درجہ کا ہتھیار ہے۔ وہابیہ نجدیہ خذلہم اللہ و وہابیہ ہندیہ غیر مقلدین کی کافی دہن دوزی اور فتن سوزی کی گئی ہے۔ اللہ تعالٰی مصنف سلمہٗ کی علم و عمل میں برکت دے۔ اور اس رسالہ سے احناف کرام کو متمتع اور بہرہ مند فرمائے۔

مسئلہ تقبیل الابہامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ نَوَّرَ عُیُونَ المُسلِمِینَ بِنُورِ عَینِ اَعیَانِ المُرسَلِین وَالصَّلوٰۃُ وَ السَّلَامُ عَلیٰ نُورِ العُیُونِ وَ سُرُورُ القَلبِ المَحزُونِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ اَجمَعِینَ ؕ

اَمَّا بَعدُ فیقول العبدُ المذنب المفتقرِ الی رحمۃ اللہ ربہ القدیر القادر غلام قادر کہ ایک فتویٰ اس بارہ میں کہ جب موذن اَشھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُولُ اللہ کہتا ہے۔ تو سننے والا انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر رکھتا ہے۔ ملا اس فتوے میں سوال کے بعد یہ عبارت (جہاں تک مجھ کو علم ہے ایک روائیت ضعیف اس بارہ میں آئی ہے۔ شامی نے نقل کی ہے) لکھی اور نیچے مولنا مولوی نور احمد صاحب کا نام لکھا ہوا ہے۔ بعد ازاں مولوی عبدالغفور صاحب کی قدرے مفصل عبارت درج ہے۔ مولانا صاحب نے اپنے مضمون کو الحمد للہ رب العٰلمین سے شروع کیا۔ مگر نا معلوم کہ مولنا صاحب کو حضور پُر نور سرورِ کائنات مفخرِ موجودات جناب احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اور اسم گرامی اور صلوٰۃ و سلام کے لکھنے سے کون امر مانع تھا۔ اس کا حقیقی علم تو مولنا صاحب ہی کو ہے۔ لیکن فتوے کی نوعیّت سے ایسا ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مولوی صاحب چونکہ تقبیل الابہامین عند سماع قول المؤذن فی الاذان اشہد ان محمد رسول اللہ کو بدعت اور ممنوع ثابت کرنے کے درپے تھے۔ اس نشہ کے خمار میں مخمور و مدہوش ہوکر درود و سلام اور اسم پاک کے تحریر کرنے سے عاجز اور قاصر رہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ مولوی صاحب کو اس دیرینہ خیال نے ایسا کرنے پر مجبور کیا ہو۔ جس کے باعث اپنے ایک زر خرید کردہ مکان کے دروازہ سے جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک بمعہ لفظ یا ایسا صاف کیا۔ کہ نشان تک نہ رہنے دیا۔ واللہ عالم بحقیقۃ الحال قولہ اَمّا بعد اس بارہ میں جتنی حدیثیں کہ مذکور ہیں ان میں سے ایک بھی

صحیح وثابت نہیں - اور نہ اُن کا کسی معتمد کتاب میں پتہ و نشان پایا جاتا ہے) اقول
اس بارہ میں جتنی حدیثیں وارد ہوئی ہیں - دو قسم ہیں - مرفوع اور موقوف
اور محدثین کرام اور محققین اعلام نے جو تصحیح و تضعیف اور تجریح و توثیق میں
دائرہ اعتدال سے باہر نہیں نکلتے اور راہ افراط و تفریط اختیار نہیں کرتے -
ان احادیث کے بارے میں یہ فیصلہ کیا ہے - کہ تقبیل الابہامین کے بارہ میں
جو مرفوع حدیثیں مروی ہیں - وہ اس درجہ تک نہیں پہنچیں جنکو محدثین اپنی
اصطلاح میں صحیح کہتے ہیں - چنانچہ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ مقاصد حسنہ میں تحریر
فرماتے ہیں - (لایصح فی المرفوع من هذا شیء) علامہ قاری علیہ رحمۃ الباری موضوعات
کبیر میں رقم طراز ہیں (کل ما یروی فی هذا فلا یصح رفعہ البتۃ) علامہ ابن عابدین
ردالمحتار حاشیہ درمختار میں علامہ اسمٰعیل جراحی رحمہما اللہ تعالیٰ سے بایں طور نقل کرتے
ہیں (لم یصح فی المرفوع من (ذا) شیء) پھر خادم حدیث پر مخفی اور پوشیدہ نہیں
کہ اصطلاح محدثین میں نفی صحت نفی حسن کو بھی مستلزم نہیں - تو پھر دعوٰی وضع
تو کمال درجہ کی ناانصافی اور اتم درجہ کا ظلم ہے - دیکھو محدثین اپنی تصانیف
میں تصریح فرماتے ہیں - امام حلبی رحمۃ اللہ شرح منیہ میں لکھتے ہیں - (قول
الترمذی لایصح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی هذا الباب شیء انتہی
لاینفی وجود الحسن ونحوہ والمطلوب لایتوقف ثبوتہ علی الصحیح بل کما
ثبت بہ ثبت بالحسن ایضاً) اسی میں ہے (علی المشی علی مقتضی الا
صطلاح الحدیثی لایلزم من نفی الصحۃ نفی الثبوت علی وجہ الحسن)
امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ صواعق میں فرماتے ہیں (قول احمد انہ حدیث
لایصح ای لذاتہ فلا ینفی کونہ حسناً لغیرہ والحسن لغیرہ یحتج بہ کما بین
فی علم الحدیث) امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ اذکار امام نووی کی تخریج
احادیث میں یوں لکھتے ہیں (من نفی الصحۃ لاینتفی الحسن) پھر یہی امام نزہۃ النظر
میں فرماتے ہیں (هذا القسم من الحسن مشارک للصحیح فی الاحتجاج
بہ وان کان دونہ) ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری موضوعات کبیر میں فرماتے
ہیں (لایصح لاینافی الحسن) نورالدین علی سمہودی رحمۃ اللہ علیہ جواہر

العقدین میں تحریر فرماتے ہیں۔ (قد یکون غیر صحیح وھو صالح الاحتجاج
بہ اذ الحسن واسطۃ بین الصحیح والضعیف) شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح
صراط مستقیم کی شرح میں ارشاد فرماتے ہیں۔ (حکم بعدم صحت کردن با
صطلاح محدثین غرابت ندارد۔ چہ صحت در حدیث چنانچہ در مقدمہ معلوم
شد درجہ اعلےٰ است ودائرہ آں تنگ تر جمیع احادیث کہ در کتب مذکور
است حتیٰ دریں شش کتاب کہ آنرا صحاح ستہ گویند ہم باصطلاح ایشاں صحیح
نیست۔ بلکہ تسمیہ آنہا صحاح باعتبار تغلیب است) مذکورہ بالا حوالجات سے
یہ واضح طور پر ثابت ہو گیا۔ کہ محدثین کا کسی حدیث کو غیر صحیح کہنا اس بات
کو ثابت نہیں کرتا۔ کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ کیونکہ صحیح اور ضعیف کے درمیان
حسن کا درجہ ہے۔ جو بالاتفاق مانند صحیح قابل احتجاج ہے۔ اور یہ امر بھی اظہر من الشمس ہو
گیا کہ جب نفی صحت سے حسن تک کی نفی لازم نہیں آتی۔ تو دعویٰ وضع خیال محال سے ہم آغوش وہم
قرین ہیں زیادہ وضاحت کیلئے محدثین کی خاص تصریحات سنئے چاہئیے امام بدرالدین
زرکشی کتاب النکت پھر امام جلال الدین سیوطی لآلی مصنوعہ پھر علامہ علی ابن محمد ابن
عراق کنانی تنزیہ الشریعہ پھر علامہ محمد طاہر فتنی خاتمہ مجمع بحار الانوار میں رحمۃ اللہ
تعالیٰ فرماتے ہیں۔ (بین قولنا لم یصح وقولنا موضوع بون کبیر فان الوضع اثبات
الکذب والاختلاق وقولنا لم یصح لا یلزم منہ اثبات العدم وانما ھو اخبار عن عدم
الثبوت وفرق بین الامرین) اور تنزیہ میں اس کے بعد اتنا اور زیادہ ہے (ھذا
یجئ فی کل حدیث قال فیہ ابن الجوزی لا یصح ونحوہ) امام ابن حجر عسقلانی
القول المسدد میں لکھتے ہیں (لا یلزم من کون الحدیث لم یصح ان یکون
موضوعاً) علی قاری علیہ رحمۃ الباری موضوعات کبیر میں حدیث عقل کے ذیل
میں فرماتے ہیں (لا یلزم من عدم الصحۃ وجود الوضع کما لا یخفیٰ) علامہ طاہر فتنی
رحمۃ اللہ علیہ تذکرۃ الموضوعات میں امام عسقلانی سے ناقل (ان نفی الثبوت لا یثبت
لا یثبت الوضع فان الثابت یشمل الصحیح فقط والضعیف دونہ)
محدثین کی ان تصریحات سے ان لوگوں کا مکر وزور واضح طور پر طشت ازبام ہو گیا
جو کلمات علماء مقاصد حسنہ و مجمع البحار و تذکرۃ الموضوعات و مختصر المقاصد

وغیرہا سے احادیث تقبیل الابہامین کی نفی صحت کے نقل کرکے بے دھڑک کہہ دیتے ہیں۔ کہ ان کی کلام سے ثابت ہوگیا۔ کہ اس بارے میں جتنی حدیثیں ہیں سب موضوع اور غیر ثابت ہیں سبحان اللہ کیا ہی مزے کی بات ہے۔ کہ جہاں درجات متعددہ ہوں وہاں اعلی کی نفی سے ادنی کا ثبوت سمجھا جائے۔ مثلاً اگر کہا جائے کہ زید بادشاہ نہیں اس کا یہ مطلب سمجھ لیا جائے۔ کہ نان شبینہ کا محتاج ہے۔ اللہ اللہ کہاں نفی صحت اور کہاں دعوی وضع مذکورہ بالا تحقیق سے اہل عدل و انصاف پر یہ بات اچھی طرح روشن و ہویدا ہو گئی ہوگی۔ کہ احادیث تقبیل الابہامین کے بارہ میں علی الاطلاق مولوی صاحب کا یہ کہنا ان میں سے ایک بھی صحیح و ثابت نہیں۔ اور نہ ان کا کسی معتمد کتاب میں پتہ و نشان پایا جاتا ہے) کہاں تک صحیح اور درست ہے (قولہ و نقادا احادیث نے ان سب احادیث میں کلام کرکے تصریح کردی ہے۔ کہ یہ سب احادیث غیر صحیح اور موضوع ہیں) اقول ہم نے شروع تحریر میں بحوالہ علی قاری اور امام سخاوی وغیرہما اس امر کو ثابت اور محقق کر دیا ہے۔ کہ محدثین کرام نے احادیث تقبیل الابہامین کے بارے میں اتنا ثابت کیا ہے۔ کہ یہ حدیثیں مرفوع ہونے کی حیثیت سے اس درجہ اعلی کو نہیں پہنچیں جن کو محدثین اپنے محاورات میں صحیح کہتے ہیں جس سے حسن کی نفی بھی لازم نہیں آتی۔ پھر ان کو ضعیف سمجھنا اہل علم کی شان سے بعید۔ پھر دعوی موضوعیت تو زمین و آسمان کے کلابے ملا دینے سے کم نہیں۔ اور اس امر کو بھی حیز تحریر میں لانا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ کہ محدثین کا نفی صحت کو احادیث مرفوعہ کے ساتھ خاص کرنا صاف ثابت کر رہا ہے۔ کہ احادیث موقوفہ کو غیر صحیح نہیں جانتے۔ اور حدیث موقوف عمل کے لئے کافی ہے۔ لہٰذا ملا علی قاری علیہ رحمت الباری موضوعات کبیر میں اس پہلی عبارت کے بعد یوں لکھتے ہیں (قلت اذا ثبت رفعہ الی الصدیق رضی اللہ عنہ فیکفی للعمل بہ لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام علیکم بسنتی و سنۃ خلفاء الراشدین) یعنی اس فعل کا ثبوت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ سے عمل کے لئے بس ہے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ تم کو میری اور میرے خلیفوں کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے۔ اور امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ مقاصد حسنہ میں لکھتے ہیں حدیث مسح العینین بباطن انملتی السبابتین بعد تقبیلہما عند سماع قول المؤذن اشھد ان محمداً

رسول اللہ مع قولہ اشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ ورضیت باللہ ربا وبالاسلام دیناً وبمحمد رسولاً صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ذکرہ الدیلمی فی الفردوس من حدیث ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ لما سمع قول المؤذن اشہد ان محمداً رسول اللہ قال ھذا وقبل باطن انملتی السبابتین ومسح عینیہ فقال صلی اللہ علیہ وسلم من فعل مثل ما فعل خلیلی فقد حلت علیہ شفاعتی ولا یصح)

دیکھو حدیث مرفوع کے بارہ میں لا یصح کہا۔ جس کا ماحصل یہی ہے۔ کہ یہ حدیث اس درجہ کو نہیں پہنچی۔ جس کو اصطلاح محدثین میں صحیح کہا جاتا۔ مقاصد کی عبارت بطور مشت نمونہ از خروارے نقل کی گئی ہے۔ طالب تفصیل کو چاہیئے۔ کہ اصل کتاب کا مطالعہ کرکے اپنی تسلی کرلے۔ کیونکہ اس میں اور روایتیں بھی لایا ہے۔ چنانچہ ایک روایت حضرت حسن علیہ السلام کی بھی ہے۔ اور نیز ان آئمہ دین اور فقہا محققین کا ذکر بھی اُس میں ہے۔ جنہوں نے اس حدیث پر عمل کیا۔ اور اس کو مفید پایا۔ پس محدثین کی ان تصریحات اور عمل فقہا عالی درجات کو مد نظر رکھتے ہوئے ہر منصف مزاج اور طالب تحقیق کے دل پر یہ بات ضرور بر ضرور نقش ہو جائیگی۔ کہ احادیث تقبیل الابہامین کو عند المحققین ہرگز ہرگز موضوع کہنا جائز نہیں۔ لہٰذا مولوی صاحب کا مذکورہ بالا جملہ میں غیر صحیح کے بعد لفظ موضوع کو زیادہ کرکے نقاد احادیث کی طرف نسبت کرنا تساہل و تغافل کا نتیجہ ہے۔ بلکہ اجمالی طور پر غیر صحیح لکھنا بھی غیر صحیح۔ بلکہ غیر مفید کیونکہ عند المحدثین نفی صحت سے حسن کی نفی بھی لازم نہیں آتی۔ تو حدیث کا ضعیف ہونا ثابت نہ ہوا بلکہ حسن ہونا متعین اور حسن اثبات احکام کے لئے حجت اور برہان مانند صحیح ہے

چنانچہ مذکور شد قولہ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔ کہ اول تو یہ سب حدیثیں کتب حدیث طبقہ رابعہ سے ہیں۔ اور اس طبقہ کی احادیث اس قابل نہیں۔ کہ کسی عقیدہ اور عمل کے ثابت کرنے میں ان پر اعتماد کیا جاوے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی محدث رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ ملخصاً این احادیث قابل اعتماد نیستند کہ در اثبات عقیدہ یا عمل باٰنہا کردہ شود) اقول اگر مولوی صاحب نے

اپنی تحریر اور جناب شاہ صاحب رحمۃ اللہ کی عبارت کا یہ مطلب سمجھا ہے کہ جتنی حدیثیں
کتب طبقہ رابعہ میں ہیں۔ سب موضوع اور باطل اور پایۂ اعتبار سے گری ہوئی ہیں
فضائل اعمال میں بھی اصلاً قابلِ استناد نہیں تو یہ معنے بالکل غلط اور درجہ
اعتبار سے ساقط ہیں۔ کوئی ادنیٰ ذی فہم وتمیز بھی ایسا دعویٰ نہیں کر سکتا
نہ کہ شاہ صاحب سا فاضل۔ کیونکہ کتب طبقہ رابعہ میں ہر قسم کی حدیثیں حسن صحیح ضعیف
باطل مندرج ہیں۔ بسبب اختلاط وعدم بیان کہ عادت محدثین ہے۔ ہر حدیث
میں احتمال ضعف قائم لہذا غیر ناقد کو ناقدین کی کلام دیکھئے۔ بغیر ان سے عقائد و
احکام میں احتجاج ناجائز۔ جناب شاہ صاحب مرحوم کی عبارت مذکورہ کا بھی یہی
مضمون ہے۔ اور یہ ہم کو مضر نہیں۔ کیونکہ ہم احادیث تقبیل ابہامین سے کوئی عقیدہ
یا کوئی حکم منجلہ فرائض وواجبات یا حلال یا حرام ثابت نہیں کر رہے ہے۔ بلکہ اس
عمل کی فضیلت ثابت کرنے کے درپے ہیں۔ اور حدیث ضعیف اگرچہ نہایت درجہ
کی ضعیف ہو۔ باتفاق جمہور محدثین فضائل اعمال میں قابل استناد ہے جیسا کہ
مفصلہ ذیل حوالجات سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جائیگی۔ ابو طالب محمد بن علی
مکی قوت قلوب میں فرماتے ہیں۔ الاحادیث فی فضائل الاعمال وتفضیل
الاصحاب متقبلۃ محتملۃ علی کل حال متقاطیعہا ومراسیلہا لاتعارض
ولاترد کذالک کان السلف یفعلون۔ اور فتح المبین شرح اربعین
میں ہے لانہ ان کان صحیحا فقد اُعطی حقہ من العمل بہ والا لم
یترتب علی العمل بہ مفسدۃ تحلیل ولاتحریم ولاضیاع حق للغیر و
فی حدیث ضعیف من بلغہ عنی ثواب عمل فعملہ حصل لہ اجرہ وان
لم اکن قلتہ او کما قال واشار المصنف رحمۃ اللہ تعالی بحکایت الاجماع
علی ماذکرہ الی الرد علی من نازع فیہ) امام نووی اربعین اور ابن حجر
مکی شرح مشکوٰۃ اور علی قاری مرقاۃ وحرز ثمین شرح حصن حصین میں
فرماتے ہیں قد اتفق الحفاظ ولفظ اربعین قد اتفق العلماء علی جواز
العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال ولفظ الحرز جواز
العمل بہ فی فضائل الاعمال بالاتفاق۔ مقاصد حسنہ میں ہے قد قال

بن عبد البر انھم یتساھلون فی الحدیث اذ کان من فضائل الاعمال فتح القدیر میں یوں مرقوم ہے الضعیف غیر الموضوع یعمل بہ فی فضائل الاعمال ۔ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحب اور مستحسن ہے ۔ کیونکہ حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے معنے یہی ہیں ۔ ورنہ نفس جواز تو اصالت اباحت و انعدام دلیل شرعی سے خود بخود ثابت ۔ اس میں حدیث ضعیف کا کیا دخل ہے ۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الاذکار میں تحریر فرماتے ہیں ۔ قال العلماء من المحدثین والفقہاء وغیرھم یجوز ویستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترھیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعا امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں ۔ الاستحباب یثبت بالحدیث الضعیف غیر الموضوع ۔ مولٰنا علی قاری علیہ رحمۃ الباری موضوعات کبیر میں مسح گردن کی حدیث کا ضعف بیان کر کے فرماتے ہیں ۔ الضعیف یعمل بہ فی فضائل الاعمال اتفاقا ولذا قال ائمتنا ان مسح الرقبۃ مستحب او سنت علماء کرام کی ان تصریحات سے مانند بدر منیر روشن و ہویدا ہو گیا ۔ کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے معنی نفس اباحت سے ایک زائد اور بالا تر چیز ہے ۔ اور وہ نہیں مگر استحباب لہٰذا ظاہر لبیس دو نہ حجاب خلاصہ تقریر و نتیجہ تحریر یہ ہے کہ احادیث تقبیل الابہامین کو وضع اور بطلان سے اصلا کچھ علاقہ اور تعلق نہیں ۔ کیونکہ ان احادیث کا ان بیدہ عیبوں سے جو حدیث کے موضوع ہونے کے لئے قرینہ اور دلیل ہیں خالی ہونا بدیہی ہے ۔ اور نیز ان احادیث کا مدار کسی وضاع کذاب یا متہم بالکذب پر نہیں ۔ پھر حکم وضع محض بے اصل و بے دلیل ۔ یہی وجہ ہے ۔ کہ محدثین نے ان احادیث کے بارہ میں لفظ لا یصح کو استعمال کیا موضوع باطل وغیرہما الفاظ سے جن کو احادیث موضوعہ میں تحریر کرتے ہیں ۔ پرہیز کیا حتٰی کہ وہابیہ کے امام شوکانی نے باوجود سخت تشدد اور اکثر مسائل میں تفرد بیجا کے عادی ہیں ۔ خود ایمجموعہ میں دربارہ احادیث تقبیل الابہامین میں لا یصح پر اکتفا کیا ۔ موضوع و باطل کہنے کی جرأت نہ کی ۔ اگر بالفرض کسی امام معتبر کے کلام میں ان احادیث کے بارہ میں حکم وضع پایا جائے ۔ تو وہ

کسی خاص سند کی نسبت ہوگا نہ نفس حدیث پر اور ان احادیث کے لئے کافی سندیں ہیں جن کو وضع و ضعف سے اصلاً تعلق نہیں ان احادیث کی سندوں میں اگر ہے۔ تو جہالت اور انقطاع ہے۔ سو یہ دونوں امر موجب ضعف ہیں نہ مثبت وضع اگر ایسی حدیث کو جو فی نفسہ ان بیدرہ دلائل سے صاف اور منزہ ہے کوئی محدث موضوع اور باطل کہے۔ تو یہ حکم حقیقۃً متن حدیث پر نہ ہوگا۔ بلکہ کسی خاص سند پر ہوگا۔ جو اس وقت اس کے پیش نظر ہے۔ اور اس کے نظائر کتب احادیث میں بکثرت ہیں۔ اور آئمہ حدیث نے اس امر کی تصریحیں فرمائیں تو کسی عالم کا حکم وضع یا ضعف دیکھ کر خواہی نخواہی یہ سمجھ لینا کہ یہ حدیث فی نفسہ باطل یا ضعیف ہے۔ ناواقفوں کے فہم ناقص اور خیف کا ثمرہ ہے۔ میزان الاعتدال امام ذہبی میں ہے۔ ابراہیم بن موسیٰ المروزی عن مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما حدیث طلب العلم فریضۃ قال احمد بن حنبل ہذا کذب یعنی بہذا الاسناد والا له طرق ضعیفۃ یعنی امام احمد حنبل کا یہ فرمانا کہ یہ حدیث جھوٹی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ اس اسناد سے جو امام احمد کے پیش نظر تھا۔ حصن حصین میں ایک حدیث ہے جس کا یہ مضمون ہے۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یہ تعزیت نامہ ارسال فرمایا۔ ابن جوزی اس حدیث کو موضوع کہتے ہیں۔ علی قاری علیہ رحمۃ الباری حرز ثمین شرح حصن حصین میں اس حدیث کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں۔ صرح ابن جوزی بان ہذا الحدیث موضوع قلت یمکن ان یکون بالنسبۃ الی اسنادہ الذی ذکرہ عندہ موضوعاً۔ اور سنئے حدیث الصلوٰۃ بسواک خیر من سبعین صلوٰۃ بغیر سواک کو اجلہ محدثین نے اپنی تصانیف میں بطرق عدیدہ و اسانید متنوعہ روائیت کیا۔ ابن عبدالبر نے تمہید میں ابن معین سے اس حدیث کا موضوع ہونا نقل کیا۔ امام سخاوی مقاصد حسنہ میں اس کو نقل کرکے فرماتے ہیں۔ قول ابن عبد نے التمہید عن ابن معین انہ حدیث باطل ہو بالنسبۃ لما وقع لہ من طرفہ کتب احادیث کے مطالعہ کرنیوالے کو محدثین کی بہت سی ایسی تصریحات مل سکتی ہیں۔ جس کو شک ہو۔ وہ کتب قوم کا مطالعہ کرکے اطمینان حاصل کرسکتا ہے۔ اہل حدیث

کی اس تحقیق سے مہر نیمروز اور ماہ نیم ماہ کی طرح واضح وظاہر ہوگیا۔ کہ مولوی عبدالغفور صاحب نے جو عبدالغافر فارسی اور ابو نعیم اصفہانی اور جلال الدین سیوطی رحمہم اللہ سے تقبیل ابہامین احادیث کا موضوع ہونا نقل کیا ہے۔ اسی قبیل سے ہے یعنی جو سندیں ان کو ملیں۔ ان پر حکم وضع ہے۔ اس سے احادیث کا فی ذاتہا موضوع ہونا لازم نہیں ہوتا۔ ممکن ہے۔ کہ ان سندوں میں کوئی وضاع کذاب یا متہم بالکذب ہو۔ لہٰذا مولوی صاحب کو لازم ہے۔ کہ آپ کی پوری عبارتیں معہ جرح و تعدیل تحریر فرمائیں۔ تاکہ حق و باطل ظاہر ہو جاوے۔ (راحقر عباد اللہ خادم علماء حنفیہ وخاکپائے صوفیہ صافیہ راجی رحمۃ اللہ القادر غلام قادر) میرا مدعا صرف یہ تھا۔ کہ جو احادیث تقبیل الابہامین میں وارد ہوتی ہیں ہرگز ہرگز موضوع اور باطل نہیں۔ سو بحمد اللہ تعالیٰ ثابت ہوگیا۔ اب میں تنزل کے طور پر تحریر کرتا ہوں۔ کہ اگر بفرض محال ان احادیث کو خاطر مولوی عبدالغفور صاحب غزنوی موضوع اور باطل تسلیم کر لیا جائے۔ تو بھی ہمارا مدعا ثابت اور مولوی صاحب کا مطلب یہ رہا۔ کہ اس بارہ میں کوئی حدیث صحیح حسن یا ضعیف وارد نہیں ہوئی۔ یہ عدم حدیث ہے۔ نہ حدیث عدم اور حدیث موضوع خود باطل ہے۔ نہ کہ پروانہ نہی جو امر حدیث موضوع میں مذکور ہے۔ اس کے جواز یا عدم جواز میں موضوع حدیث کو کسی قسم کا دخل نہیں۔ اسواسطے کہ جب حدیث موضوع فی ذاتہ باطل اور لغو ہے۔ تو اس کا اپنے غیر میں موثر ہونا چہ معنے دارد۔ پس تقبیل ابہامین اپنی اباحت اصلیہ پر قائم رہیگا۔ اس کا بدعت ممنوع ہونا محتاج دلیل۔ اگر مولوی صاحب اسکی ممنوعیت پر کوئی دلیل دلائل شرعیہ میں سے قائم کر دیں۔ جسمیں اس کا عدم جواز صراحتہً مذکور ہو۔ تو ہم ماننے کے لئے تیار ہیں۔ ورنہ مولوی صاحب اپنی اس تحریر کو واپس لیں۔ اور آئندہ ایسی بے سند اور بے پایاں بات کے تحریر کرنے سے ہمیشہ احتراز اختیار کیا کریں۔ دیکھو علامہ طحطاوی مصری حاشیہ درمختار میں زیر قول رملی فاما الموضوع فلا یجوز العمل بہ بحال فرماتے ہیں۔ ای حیث کان مخالفاً لقولہ عند الشرعیۃ واما اذا کان داخلاً فی اصل عام فلا مانع منہ لا بجعلہ حدیثاً بل قولہ تحت الاصل العام نظائرہ کثیرۃ فی کتب القوم من

مواد التفصیل فلیطالع لتبہ۔ ھذا واللہ اعلم بالصواب والیہ مرجع والمآب
اللھم اغفر لمصنفہ وکاتبہ وقارئہ ولمن سعیٰ فیہ احقر عباد اللہ خادم
علماء حنفیہ وخاکپائے صوفیہ صافیہ راجی رحمت ربہ القادر غلام قادر از امرتسر
کٹرہ مہاں سنگھ کوچہ مرزا متصل کوتوالی

دستخط

جناب مولانا مولوی ابوبرکات سید احمد ناظم سیکرٹری
انجمن حزب الاحناف ہند لاہور۔ فذالک کذالک انی
مصدق لذالک

اہل توفیق سنی حضرات توجہ فرمائیں

بعد حمد خدا تعالیٰ و نعت سرکار نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے سنی حضرات پر
پوشیدہ نہ رہے۔ کہ حضرت مولانا غلام قادر صاحب مدظلہ العالی مصنف
کتاب ہذا کی ایک کتاب کا مسودہ لکھا ہوا پڑا ہے۔ جو کہ رد روافض (شیعہ)
میں اعلےٰ ہتھیار ہے۔ یعنی جو شیعہ لوگ حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق
رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ جناب نے حضرت فاطمۃ الزہرا
رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ذات مقدسہ کو وراثت سے محروم رکھا۔ اس کا
کافی رد کیا ہے۔

اس لئے درخواست کی جاتی ہے۔ کہ آپ حضرات امداد
فرمائیں۔ تو وہ بھی چھپ جائے۔ اور اسی طرح منفعت تقسیم کی جائے۔ تاکہ
اہل ایمان کو نفع ہو۔ نوٹ:۔ جو کچھ آپ ارسال فرمائیں وہ مصنف کے نام ارسال
فرمائیں۔ پتہ یہ ہے۔ مولانا غلام قادر صاحب خطیب مسجد مرزا متصل کوتوالی امرتسر

الملتمس:۔ غلام محمد جماعتی نقشبندی

مسئلہ دربارہ چاہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم بحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

امابعد یہ امر مسلم اور متفق علیہ ہے۔

کہ مسلمان کا کھانا اور پینا اور لباس بدن اور برتن وغیرہ کا پاک صاف ہونا لازمی اور لابدی ہے خصوصاً نماز کیلئے نمازی کا بدن و کپڑا پاک و طاہر ہونا فرض و واجب ہے۔ اور ایسا ہی نمازی کا باوضو ہونا ہی شرط ہے۔ اور نیز جہاں نماز پڑھی جائے اسجگہ کا پاک ہونا بھی شرط نماز سے ہے۔ اور اشیاء مذکورہ بالا کی پاکیزگی و صفائی کا مدار پانی پر ہے جب پانی ہی مشکوک یا ناپاک ہو تو اشیاء مذکورہ کا پاک و صاف ہونا نابود۔ لہذا پانی کا پاک اور طاہر ہونا ضروری اور لابدی ہے۔ اسلئے ہر امام نے ائمہ اربعہ میں سے ایک حد مقرر و معین کی ہے۔ جو پاک و ناپاک پانی کے درمیان فاصل ہو۔ اور حد فواصل میں اختلاف کثیر ہے حضرت مالکؒ نے رنگ و بو و مزہ کا بدل جانا حد مقرر کی ہے۔ اگر نجاست کے گرنے سے کوئی ایک صفت اوصاف ثلثہ مائیہ میں سے متغیر ہو جائے۔ تو پانی ناپاک ورنہ پاک ہے۔ اور دلیل ان کی یہ حدیث ہے الماء طھور لاینجسہ شئی الا ماغیر طعمہ اولونہ اوریحہ۔ پانی پاک ہے کسی چیز سے پلید نہیں ہوتا جبتک رنگ یا بو یا مزہ نہ بدلے۔ یہ ضعیف حدیث ہے۔ یہ باعث رشدین سعد ضعیف کیا اسکو محدثین کی ایک جماعت نے کما قال فی البحر فھو مع الاستثناء ضعیف برشدین سعد صرح بضعفہ جماعۃ منھم النووی فی شرح المھذب۔ اور یہ حدیث بھی امام مالک رحمۃ اللہ کی دلیل ہے قال ابو سعید الخدری قیل یا رسول اللہ انتوضا من بیر بضاعۃ وھی بیر یلقی فیہ الحیض ولحوم الکلاب والنتن فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الماء طھور لاینجسہ شئی وحسنہ الترمذی کسی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم بیر بضاعہ جس میں خون حیض سے آلودہ کپڑے اور کتوں کا گوشت اور کئی قسم کی ناپاک و بدبودار چیزیں ڈالی جاتی ہیں وضو کر سکتے ہیں تو حضور نے فرمایا کہ پاک پانی ہے کوئی چیز اسکو ناپاک نہیں کر سکتی یہ حدیث شریف تو صحیح ہے مگر امام مالکؒ کو مفید نہیں کیونکہ بیر بضاعہ کا پانی جاری اور باغوں میں جاکر پڑتا تھا جیسا کہ امام طحاوی نے شرح معانی الاثار میں مسنداً روایت کیا ہے۔ اور دلیل جریان اب بیر بضاعہ یہ ہے کہ اگر بند پانی میں ایسی ناپاک و بدبودار چیزیں جنکا ذکر حدیث میں ہے ڈالی جائیں تو

مشکوٰۃ ...

کوئی وجہ نہیں۔ کہ اس پانی کے رنگ بو و ذائقہ میں فرق نہ آئے بلکہ ضرور ہی متغیر ہو جائیگے
یہ بات تجربے سے معلوم ہو سکتی ہے جسکو شک ہو وہ تجربہ کر کے دیکھ سکتا ہے جب ایسا ہونا یعنی
اوصاف ثلثہ مائیہ کا بدل جانا ممکن بلکہ لازمی ہے تو وہ پانی بالاتفاق پلید و ناپاک ہوگا۔ اور
اس کا استعمال کسی مذہب میں جائز نہیں۔ کما قال فی البحر۔ وَالدَّلِیْلُ علی انہ کان جاریًا
ان الماء الراکد اذا وقع فیہ غذارة الناس والجیف والنتن
تغیر طعمہ وریحہ ولونہ ویتنجس بذالک اجماعًا ولیس فی الحدیث
استثناءً فدل ذالک علی جریان مائھا۔ پس تقریر مذکور سے
یہ امر روشن و ہویدا ہو گیا۔ کہ حدیث بیر بضاعہ اپنے اطلاق پر نہیں اسکی مخصص اور
بھی حدیثیں ہیں۔ جو آگے آتی ہیں۔ کما قال علی القاری فی باب فتح العنائمہ والثانی
لیس علے الملاقہ لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لایبولن احدکم الحدیث
اور ثانی سے مراد حدیث بیر بضاعہ ہے۔ اور حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ
کے نزدیک پانی کا قلتین ہونا حد فاصل ہے۔ کیونکہ ان کی نزدیک قلتین آب
کثیر ہے۔ اور آب کثیر نجاست کی واقع ہونے سے ناپاک نہیں ہوتا۔ اور دلیل انکی
کی حدیث قلتین ہے۔ جو ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ وھو ھذا عن ابن
عمر قال سُئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الماء یکون فی فلاة من الارض
ومایبوبہ من الدواب والسباع فقال اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث۔ کہا
ابن عمرؓ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایسے پانی
سے سوال کیا۔ کیا جو جنگل میں اور جس پر چہار پائے اور درندے وارد ہوتے
ہوں۔ تو حضور نے فرمایا کہ جب پانی قلتین ہو۔ تو نجاست کو قبول نہیں کرتا
یعنی پلید نہیں ہوتا۔ قلنا اس حدیث شریف سے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ
کا استدلال غیر صحیح ہے۔ بچند وجوہ۔ وجہ اول یہ حدیث ضعیف ہے
ضعیف کیا اس کو حافظ بن عبد ابر و قاضی اسمٰعیل ابن اسحٰق اور ابوبکر بن عربی
نے اور مالکی المذہب ہیں۔ اور کہا امام بیہقی نے یہ حدیث قوی نہیں۔ اور
چھوڑ دیا اس حدیث کو امام غزالی اور رویانی نے حالانکہ یہ دونو اتباع
شافعی میں بڑے شدید ہیں اور کہا علی ابن مدینی استاد امام بخاری نے کہ

لہ مشکوٰة ص۴۲

حدیث قلتین ثابت نہیں ہوئی - اور نیز آبِ زم زم میں جب زنگی مر گیا - تو ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پانی نکالنے کا حکم دیا - اگر یہ حدیث صحیح اور قوی ہوتی - تو باقی صحابہ اور تابعین اون کے پیش کرتے - اور لوگوں کو پانی نکالنے سے منع کرتے ھکذا قال علی القاری فی باب فتح العنائد عبارتہ ھذا قلنا ضعفہ جماعۃ منھم الحافظ بن عبد البر والقاضی اسمٰعیل بن اسحٰق ابو بکر بن العربی المالکیون وقال البیھقی انہ لیس بالقوی وقد ترکہ الغزالی والرویانی مع شدۃ اتباعھما الشافعی وعن استاذ البخاری علی بن المدینی انہ لم یثبت حدیث القلتین ولان ابن العباس وابن الزبیر امرا بنزح ماء زم زم حین مات فیھا الزنجی ولو کان لھذا اصلیھما لا حتج بقیۃ الصحابۃ والتابعین علیھما بہ فعلم انہ شاذ فی حادثہ العموم البلوی فیرد تجنبا الوضوء مما مستہ النار وجہ ثانی اور حدیث قلتین اس وجہ سے بھی ضعیف اور غیر قوی ہے - کہ اس کے متن میں اضطراب ہے - ایک روایت میں ہے لم ینجسہ شئ اور ایک میں ہے لم یحمل الخبث کہا امام بیہقی نے یہ غریب ہے - اور ایک روایت میں ہے اذا بلغ الماء قلتین او ثلاثا لم ینجسہ شئ اور ایک حدیث میں ہے اذا بلغ الماء اربعین قلۃ فانہ لا یحمل الخبث وضعفہ الدارقطنی ھکذا قال علی القاری - ہذا عبارتہ ثم حدیث القلتین ضعفہ ابو داؤد ایضا للاضطراب فی سندہ وکذا فی متنہ وفی روایۃ لم ینجسہ شئ وفی روایۃ لا یحمل الخبث قال البیھقی وھو غریب وفی روایۃ اذا بلغ الماء قلتین او ثلاثا لم ینجسہ شئ وفی روایۃ اذا بلغ الماء اربعین قلۃ فانہ لا یحمل الخبث وضعفہ الدارقطنی الغرض کسی روایت میں غربا اور کسی میں دلوا کا لفظ ہے - پھر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں - وھذا الاضطراب یوجب الضعف وان وثق الرجال مع ما فیہ من الاضطراب فی معناہ ایضا **وجہ ثالث** یہ حدیث اس وجہ سے بھی ضعیف ہے - کہ مشترک ہے کیونکہ قلہ راس الجبال - اور مٹکے اور مشک پر بولا جاتا ہے - کما قال

علی القاری وایضا القلۃ مشترکۃ بین الجرۃ والقربۃ و راس الجبال وجہ ثالث غیر مقلدین کے گرو ابو العباس ابن تیمہ نے حدیث قلتین کے ضعف کو بڑے زور شور اور مبالغہ کے ساتھ ثابت کیا۔ اور کہا۔ کہ صحابہ اور تابعین میں سے کسی نے حدیث قلتین کو روائیت نہیں کیا۔ بجز ایک روائیت مضطربہ مختلفہ کے اور مدینہ منورہ و کوفہ اور تمام و بصرہ والوں میں سے کسی نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا۔ عبارت ہذا وقال یشبہ ان یکون الولید بن کثیر غلط فی رفع الحدیث و عن رہ الی ابن عمر فانہ انما یفتی الناس ویحدثہم عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم والذی رواہ معروف عند اھل المدینۃ وغیرھم لاسیما عند سالم ابنہ ونافع مولاہ وھذا لم یروہ عنہ سالم ولا نافع ولا عمل بہ احد من علماء اھل المدینۃ وذکر عن التابعین ما یخالف ھذا الحدیث ثم قال فکیف تکون ھذہ سنۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مع عموم البلوی فیہا ولا ینقلہا احد من الصحابۃ ولا التابعین لہم باحسان الا ارد ابنا مختلف مفطربۃ عن ابن عمر لم یعمل بہا احد من اھل المدینۃ ولا اھل البصرۃ ولا اھل الشام ولا اھل الکوفۃ و اطال فیہا الکلام کذا فی البحر۔

چونکہ ابن تیمیہ غیر مقلدین کے نزدیک بڑے معتبر اور ثقہ ہیں۔ اور اس حدیث کو غیر مقلدین بھی بار بار پیش کرتے ہیں۔ لہذا ابن تیمیہ کا اس حدیث کو ضعیف اور غیر قوی ثابت کرنا ایک وجہ مستقل مقرر کیا گیا۔ اور ابن تیمیہ کی عبارت کا ماحصل یہ ہے۔ کہ حدیث قلتین سے احتجاج کسی طرح اور کسی صورت میں جائز نہیں۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حدیث قلتین کی تصحیح ابن ماجہ اور ابن خزیمہ اور حاکم اور محدثین کی ایک جماعت نے کی ہے۔ تو جواب کہا جائے گا۔ کہ مصححین نے حدیث کے بعض طرق کو مدنظر رکھ کر تصحیح کر دی۔ اور الفاظ اور مفہوم کی طرف التفات نہیں کیا۔ بلکہ یہ محدثین کے فرائض

منصب سے نہیں۔ بلکہ یہ فقیہ کا وظیفہ ہے۔ اس لئے کہ حدیث کے الفاظ اور معانی تحقیق کر کے فتویٰ دینا اور عمل بالحدیث کرنے کا حکم کرنا فقیہ کا کام ہے۔ کما قال فی البحر فان قلت قد صححہ ابن ماجۃ و ابن خزیمہ والحاکم وجماعۃ من اھل الحدیث قلت من صححہ اعتمد بعض طرقہ ولم ینظر الی الفاظہ ومفہومہا اذ لیس ھذا وظیفۃ المحدث والنظر فی ذلک من وظیفۃ الفقیہ اذ غرضہ بعد صحۃ الثبوت الفتویٰ والعمل بالمدلول اور نیز بعض محدثین کی تصحیح ہمیں کسی طرح مضر نہیں۔ کیونکہ جرح مقدم ہے۔ تعدیل پر کما قال علی القاری فی المرقاۃ ولا یخفیٰ ان الجرح مقدم علی التعدیل فلا یدفعہ تصحیح بعض المحدثین۔ اور امامنا امام العالم امام اعظم ابو حنیفہ علیہ رحمۃ رب البریہ الذی وجودہ زینۃ الدنیا

تالاب نے اس غدیر عظیم کو آب کثیر فرمایا ہے۔ جس کے پانی کو اگر ایک طرف سے حرکت دی جائے۔ تو دوسری طرف کا پانی متحرک نہ ہو۔ لیکن اس اندازہ میں ایک قسم کا اجمال تھا۔ کیونکہ حرکت کے تین درجے ہیں۔ شدید و ضعیف اور متوسط پس تشخیص تحریک مشکل لہذا علماء مرجحین مجتہدین نے حرکت متوسط کا اعتبار کر کے اندازہ اوس کا دہ در دہ مقرر کیا۔ تاکہ ابہام و اشتباہ زائل ہو جاوے۔ اور یہ اندازہ مقرر کرنا بھی بیدلیل نہیں۔ بلکہ اس حدیث سے ماخوذ ہے۔ جس کو روایت کیا۔ حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ابی ہریرہؓ سے عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حریم البیر اربعون ذراعا من جوانبہا کلہا لاعطان الابل والغنم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ حریم چاہ چاروں طرف سے چالیس گز ہے۔ اور نیز روایت ہے۔ اس کو ابن ماجہ نے عبد اللہ ابن مغفل سے عن عبداللہ ابن مغفل ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال من حفر بیرا فلہ اربعون ذراعا عطنا لماشیتہ ان دونو حدیثوں سے ثابت

کہ حریم چاہ ہر طرف سے دس دس گز ہے۔ اور مجموع چالیس گز ہؤا۔ اور یہ امر بھی قابل بیان ہے۔ کہ پانی کی طہوریت کی علۃ کثرت اور جریان ہے۔ جیسا کہ ذیل کی حدیث سے ظاہر ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال سأل رجل رسول اللہ صلعم انا نرکب البحر ونحمل معنا القلیل من الماء فان توضانا بہ عطشنا افنتوضا بماء البحر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھو الطھور ماءہ والحل میتتہ رواہ مالک وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ والدارمی وجہ استدلال یہ ہے۔ کہ اگر بحر کو دریائے شور کے ساتھ خاص کیا جائے۔ جیساکہ حدیث کے سیاق وسباق اور لغت سے ظاہر ہے۔ تو علۃ طہوریت کثرت ہے۔ اور اگر بحر کے معنی عام لیئے جاویں۔ تو علۃ طہوریت کثرت یا جریان بر طریق منع الخلو ہے۔ اور آب کثیر کو حکماً جاری کہا جاتا ہے۔ لیکن کثرت سے وہ کثرت مراد ہے۔ کہ آب کثیر اسقدر ہو۔ کہ وقوع نجاست سے مغلوب نہ ہو۔ بلکہ اجزائے نجاست کو مغلوب کرکے اپنے جیسا بنالے۔ اور یہ امر مشاہدہ سے ثابت ہے۔ کہ پانی کے دو مٹکے یا اس سے بھی کم کی یہ طاقت نہیں۔ کہ نجاست پر غالب ہو۔ بلکہ پلیدی کے آثار اس میں نمایاں ہوجاتے ہیں۔ خصوصاً جب اس قدر اور اس قسم کی نجاستیں ہوں۔ جو بیر بضاعۃ میں ڈالی جاتی تھیں۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل ذیل میں درج کیئے جاتے ہیں۔ اول قولہ تعالی ویحرم علیھم الخبائث یعنی ان پر ناپاک چیزیں حرام کی ہیں۔ اور لامحالۃ نجاسات خبائث میں داخل ہیں۔ اور خبائث کی تحریم اس آیہ شریفہ میں مبہم طور پر ہے اس ابہام سے صاف طور پر ظاہر ہورہا ہے۔ کہ مومن پر استعمال خبائث حرام ہے منفرد ہوں۔ یا مختلط بالماء وغیرہ پس حالت اختلاط میں جب یقینی طور پر یہیں معلوم ہوجائے۔ کہ اس پانی میں نجاست کی کوئی جز ہے۔ تو اس پانی کا استعمال شرعاً حرام ہے۔ اور حینئذ اباحت مرجوح اور متروک ہے۔ کیونکہ محرم اور مبیح جب جمع ہوتے ہیں۔ تو محرم مقدم ہوتا ہے۔ کما قال فی البحر واستدل

[margin note: ؎ مشکوٰۃ ص ۵۱]

ابو حنیفه علی ما ذکره الرازی فی احکام القرآن بقوله تعالیٰ (ویحرم علیهم الخبائث) والنجاسات لا محالة من الخبائث حرمها الله تحریما مبهما ولم یفرق بین حال اختلاطها بالماء وانفرادها فوجب تحریم استعمال کل ما تیقنا جزءا من النجاسة وتکون جهة الحظر من طریق النجاسة اولیٰ من جهة الاباحة لان الاصل انه اذا اجتمع المحرم والمبیح قدم المحرم۔ حدیث اول عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ لا یبولن احدکم فی الماء الدائم الذی لا یجری ثم یغتسل فیه متفق علیه کوئی تمہارا کھڑے پانی میں پیشاب نہ کرے۔ پھر غسل کرے اس میں۔ یعنی نہ کرے۔ وفی روایة لمسلم لا یغتسل احدکم فی الماء الدائم وهو جنب۔ کوئی تم سے غیر جاری پانی میں نہ نہائے۔ اس حالت میں کہ وہ جنبی ہو۔ حدیث ثانی عن جابر قال نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یبال فی الماء الراکد مسلم آنحضرت علیه الصلاة والسلام نے کھڑے پانی میں بول کرنے سے منع فرمایا حدیث ثالث عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا شرب الکلب فی اناء احدکم فلیغسله سبع مرات متفق علیه جس برتن میں کتا منہ ڈال کر پانی پی جائے۔ اس برتن کو سات دفعہ دھونا چاہیئے۔ حدیث رابع عن ابی هریرة اذا استیقظ احدکم من نومه فلا یغمس یده فی الاناء حتی یغسلها فانه لا یدری این باتت یده ولفظ مسلم حتی یغسلها ثلاثا کذا فی باب فتح العنایة لعلی القاری۔ جب آدمی نیند سے بیدار ہو۔ تو اپنے ہاتھوں کو دھوئے بغیر برتن میں نہ ڈالے۔ کیونکہ اسے معلوم نہیں۔ کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات بسر کی۔ ان حدیثوں سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اول پانی راکد کو قلیل ہو یا کثیر نجاستوں سے محفوظ رکھنا شرعاً ضروری اور لابدی ہے۔ ثانی۔ غیر جاری پانی میں جب نجاست پڑ جائے۔ تو پلید و ناپاک ہو جاتا ہے رنگ بو مزہ کا بدلنا شرط نہیں۔ کیونکہ پانی میں بول کرنے سے پانی کی کوئی صفت

مشکوٰۃ

متغیر نہیں ہوتی۔ ایسا ہی کتے کے پینے سے بھی پانی کی کسی صفت میں فرق نہیں آتا۔ اور ظرف و مافیہ پلید ہو جاتا ہے۔ چنانچہ تیسری حدیث میں اس پر شاہد ناطق ہے۔ اسی طرح اگر مستیقظ اپنے ہاتھوں کو دھونے کے بغیر پانی میں ڈبو دے تو اوصاف ثلاثہ مائیہ سے کوئی صفت بدل نہیں جاتی۔ مگر پانی کا ناپاک ہونا ظاہر۔ جیسا کہ حدیث رابع شاہد عادل موجود۔ دلائل مذکورہ بالا سے یہ بات ثابت و محقق ہو گئی۔ کہ جب پانی میں وجود نجاست کا گمان غالب ہے تو اس پانی کو استعمال میں لانا ہرگز جائز نہیں۔ برابر ہے۔ کہ پانی قلتین ہو یا کم و بیش رنگ بو و مزہ بدلے یا نہ بدلے۔ ہاں البتہ وہ پانی جو حقیقتاً یا حکماً جاری ہو وقوع نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا۔ جب تک کوئی صفت اوصاف ثلاثہ سے متغیر نہ ہو۔ اور یہ امر مفہوم احادیث مذکورہ سے خارج ہے۔ اور فیما نحن میں داخل نہیں۔ کیونکہ ہماری کلام اُس پانی میں ہے۔ جو جاری نہ ہو۔ نہ حقیقتاً نہ حکماً اور احادیث مذکورہ کا بھی یہی مضمون ہے۔ خلاصۃ المرام۔ حضرت امام اعظم کے دلائل میں سے کلام اللہ اور بخاری و مسلم کی حدیثیں ہیں۔ ان کی مقابلے میں موجودہ زمانے کے غیر مقلدوں کا حدیث قلتین کا پیش کرنا بالکل ضعیف اور مردود ہے۔ کمال خالص تعصب اور ضد بلکہ ثمرہ عداوت ہے۔ اور سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ عوام کالانعام کو کہتے ہیں۔ اور حنفیوں کے پاس اگر کوئی حدیث ہے۔ تو پیش کریں۔ اس کے جواب میں یہ بیت کافی ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ؞ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

راست پرسی ہزار چشم چناں ؞ کور بہتر کہ آفتاب سیاہ

الراقم

غلام قادر عفی عنہ

[margin: ۱؎ جو نیند سے بیدار ہو]
[margin: ۲؎ خلاصہ مطلب]

ایک محمد امین نامی وہابی سے السلام علیک ایہا النبی

پر تحریری بحث

وہ کہتا تھا کہ السلام علی النبی پڑھنا چاہیئے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و نصلی علی رسولہ الکریم الرؤف الرحیم الذی ارسلنا رحمتا للعالمین

ہر ایک عاقل و بالغ اہل السنت مسلمان کو یہ امر ذہن نشین کرنا لازمی اور لابدی ہے کہ نمازی کو چاہیئے۔ کہ نماز میں قرآن عظیم اور تشہد اور صلوٰۃ و سلام اور ادعیہ وغیرہ جو کچھ پڑھے۔ بہ نیت انشاء پڑھے۔ نہ بہ نیت حکائیت اور محض تعلیم کے۔ کیونکہ مقصود شارع از تعلیم انشاء ہے۔ نہ حکائیت۔ جیسا کہ ذیل کی حدیث شریف سے ظاہر ہے۔ عن شقیق بن سلمۃ قال قال عبد اللہ کنا اذا صلینا خلف النبی صلی اللہ علیہ و سلم قلنا السلام علی جبرئیل و میکائیل السلام علی فلان و فلان فالتفت الینا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم فقال ان اللہ تعالیٰ ھو السلام فاذا صلی احدکم فلیقل التحیات للہ والصلوات والطیبات السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین. فانکم اذا قلتموھا اصابت کل عبد للہ صالح فی السماء والارض اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ (بخاری شریف)

اس حدیث نبویہ علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ سے صاف طور پر ظاہر ہے۔ کہ السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین بطور انشاء اپنی طرف سے پڑھنا چاہیئے جب ہی تو ہمارا سلام ہر ایک صالح آدمی کو پہنچے گا۔ جب یہ ثابت ہوا۔ کہ السلام علینا الخ انشاء ہے۔ تو یہ بھی ثابت ہو گیا۔ کہ السلام علیک ایہا النبی جو کہ خطاب و ندا پر مشتمل ہے۔ انشاء ہے۔ ورنہ لازم آئے گا۔ کہ تمام تشہد اول سے آخر تک حکائیت

یا محض تعلیم ہی ہو۔ کیونکہ تعلیم نبویہ علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ دربارہ تشہد ابتداء سے
انتہا تک تمام تشہد کو مساوی طور پر شامل ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف مذکور سے
ظاہر ہے۔ اور عابد سندھی نے طوالع الانوار شرح در مختار میں لکھا ہے۔ کہ السلام علیک
ایہا النبی کو مقصود بالذات سمجھے اور بطور انشاء عرض کرے۔ کما قال ویقصد بالفاظ
التشہد کانہ یحیی اللہ تعالیٰ او یسلم علیٰ نبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بقولہ
السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ فان قیل کیف شرع ھذا
اللفظ خطاباً للبشر مع کونہ منہیاً فی الصلوٰۃ اجیب عن ذالک بانہ من خصائصہ
جب یہ محقق اور مبرھن ہو گیا۔ کہ السلام علیک ایہا النبی ہمیشہ بصیغہ خطاب بطور
انشاء پڑھنا چاہیئے۔ تو یہاں یہ بات بھی معلوم کرنا ضروری اور لازمی ہے۔ کہ بعد
وفات شریف سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اگر صحابہ کا خطاب وندا کو
بدل دینا ثابت ہو۔ تو اس کا سبب عدم جواز خطاب وندا نہ تھا۔ بلکہ اس کا موجب
غلبۂ رنج وغم اور افراط اندوہ الم تھا۔ کیونکہ آپ کی مفارقت کوئی معمولی بات نہ
تھی۔ بلکہ یہ ایک صدمہ جانکاہ سانحہ دلخراش تھا۔ جس سے بہائم تک بھی جاں بر
نہ ہو سکے۔ چنانچہ آپ کی سواری کے جانور نے آپ کی جدائی کے باعث خودکشی کر
لی تھی۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی یہ حالت ہو گئی تھی۔ کہ اذان دینے کی تاب
نہ لا سکتے تھے۔ یعنی اذان کہنی ہی ترک کر دی تھی۔ حتیٰ کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ
عنہ کا کہا بھی نہ مانا۔ حالانکہ جناب کی تابعداری (یعنی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
کی) حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر دو وجہ سے لازم تھی۔ ایک تو یہ کہ وہ خلیفہ وقت تھے
دوسرا یہ کہ آپ نے (صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے) ان کو غلامی سے آزاد کیا تھا۔ باوجود
اس کے کہ ہر دو لحاظ سے آپ کے فرمان کی اطاعت کرتے۔ مگر آپ کو اس قدر رنج
ومفارقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شاق تھا۔ کہ مدینہ منورہ چھوڑ کر
ملک شام کی طرف چلے گئے۔ چنانچہ کنز العمال میں ہے۔ فلما دفن رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ قال ابوبکر رضی اللہ عنہ اذن فقال ان کنت انما
اعتقتنی للہ فخلنی ومن اعتقتنی لہ فقال انما اعتقتک للہ فقال انی لا
اؤذن لاحد بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ذاک الیک

فاقام حتیٰ خرجت بعوث الشام فسار معھم حتیٰ انتھی الیھا ابن سعد۔
حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا اذان ترک کردینا۔ اور مدینہ منورہ کو چھوڑ کر چلے جانا۔ اس
امر کی ہرگز دلیل نہیں ہوسکتی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اذان
کہنا اور مدینہ منورہ میں رہنا (نعوذ باللہ) ناجائز تھا۔ بلکہ اس کا سبب استیلائے
غم والم تھا۔ من ادعی خلاف ذٰلک فعلیہ البرھان اور صحابہ میں سے بعض
آںحضور کے انتقال پُر ملال کی خبر سنتے ہی دعا کی کہ یا الٰہی اب مجھے نابینا کردے۔ تاکہ
اپنے حبیب کے بعد کسی دوسرے کی صورت نہ دیکھوں۔ کما فی المواھب وذکر
ابن الظفر ایضاً ان عبد اللّٰہ بن زید کان یعمل فی جنۃ لہٗ فاتاہ ابنہٗ
فاخبرہ ان النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم توفی فقال اللّٰھم اذھب
بصری لا ارای بعد حبیبی محمدٍ احدا فکف بصرہ ای عمی الی اصل کمال غم والم
کے سبب بعض صحابہ نے خطاب کو ترک کردیا۔ پھر جب وہ حالت بہ سبب امتداد
زمانہ فرد ہوگئی۔ بر حسب تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر اسی طرح (یعنی بصیغہ
خطاب وندا) پڑھنا شروع کردیا۔ چنانچہ صحابہ وتابعین کا اسی طریقہ پر عمل رہا۔
اور آج تک وہی جاری ہے۔ اس دعویٰ کا اثبات کئی وجوہ سے ہوسکتا ہے۔
وجہ اول یہ ہے۔ کہ بروایات متعددہ ثابت ہے۔ کہ حضرت صدیق اکبرؓ حضرت عمر
فاروقؓ اور حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم برسرِ منبر علیٰ رؤس الاشہاد
اپنی اپنی خلافتوں میں تعلیم التحیات بلفظ السلام علیک ایھا النبی کیا کرتے تھے۔
اور یہ تعلیم کچھ مخفی طور پر نہ تھی۔ کہ کسی شخص پر پوشیدہ رہتی۔ بلکہ برسرِ منبر علیٰ رؤس
الاشہاد تھی۔ پھر اگر کسی کو خطاب وندا میں کلام کی گنجائش ہوتی۔ تو ضرور کہہ دیتے
کیونکہ صحابہ کرام کی شان سے بعید ہے۔ کہ کسی مسئلہ کو خلاف واقع سُن کر خاموش
رہ جائیں۔ خصوصاً ایسا مسئلہ کہ جس میں آخری زمانہ والوں کے زعم کے مطابق شرک کا
اندیشہ ہے۔ امام زیلعی نے شرح کنز میں لکھا ہے۔ عن جماعۃ من اھل النقل
ان تشھد ابن مسعود اصح ما یُروی وعلیہ عمل اکثر اھل العلم من
الصحابۃ والتابعین حتیٰ قال ابن عمر کان ابوبکرؓ الصدیق یعلمنا التشھد
علی المنبر کما یعلم الصبیان فی الکتاب فذکر تشھد ابن مسعود عن

عبد الرحمن ابن القاری انہ سمع عمر بن الخطاب وھو علی المنبر یعلم الناس التشھد یقول قولوا التحیات التحیات للہ الطیبات والصلوات للہ السلام علیک ایھا النبی الخ رواہ مالک وشافعی وطحاوی وغیرھم کذا فی کنز العمال

وجہ دوئم خود عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جن سے اسلام علی النبی منقول ہے تابعین کو اسی التحیات کی تعلیم کیا کرتے تھے۔ جس کی تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی۔ کما روی ابن الھمام فی فتح القدیر قال ابو حنیفہ اخذ حماد ابن سلیمان بیدی وعلمنی التشھد وقال حماد اخذ ابراھیم بیدی وعلمنی التشھد وقال ابراھیم اخذ علقمۃ بیدی وعلمنی التشھد وقال علقمۃ اخذ عبد اللہ بن مسعود بیدی وعلمنی التشھد وقال عبد اللہ اخذ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیدی وعلمنی التشھد کما یعلمنی السورۃ من القرآن وکان یاخذ علینا بالواو واللام حضرت عبد اللہ بن مسعود کا علقمہ کا ہاتھ پکڑ کر وہ التحیات تعلیم کرنا جس میں خطاب وندا ہے۔ اس امر کی برھان قوی ہے۔ کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کا صیغہ خطاب کو بدلنا صرف چند روز کے لیے تھا۔ جس کی وجہ غلبہ رنج ومحن تھا۔ نہ کہ عدم جواز خطاب وندا۔ ھو الظاھر من الحدیث المذکور ومن ادعی خلاف ذالک فعلیہ البیان بالبرھان ودونہ خرط القتاد

وجہ سوئم:۔ اگر صیغہ خطاب کو بدل دینا خطاب وندا کے ناجائز ہونے کی وجہ سے ہوتا۔ تو چاہیئے تھا۔ کہ وہ صحابہ کرام جو سرور عالم سید محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس سے جدا ہو کر حالت غیبوبیت میں ہوتے تھے۔ اسلام علیک ایھا النبی کی جگہ اسلام علی النبی پڑھتے۔ حالانکہ یہ کسی صحابی سے مروی نہیں۔ اور نہ کوئی اس کا قائل ہے۔ اور صحابہ کرام کا سرور کائنات فخر موجودات سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت سے غائب وغیر حاضر ہونا اظہر من الشمس ہے۔ الحاصل غائب کو ندا کرنا کچھ موت پر موقوف نہیں۔ بلکہ زندگی ہی میں بھی یہ صورت موجود ہے۔ وانکارہ علامۃ السفہ والجہل

وجہ چہارم:۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ کہ آپ نے اپنے صحابہ کرام
کو وہ التحیات تعلیم فرمایا۔ جس میں صیغۂ خطاب وندا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف بخاری
مذکورہ بالا میں ہے۔ اور اسی التحیات کو ابن تیمیہ نے بھی اختیار کیا ہے۔ دیکھو منتقی
الاخبار اور کتاب المحرر یہ دونو کتابیں ابن تیمیہ کی ہیں۔ منتقی الاخبار میں بخاری
کی مذکورہ بالا حدیث شریف درج ہے۔ عبارتہٗ فی المحرر ھکذا احبث قال
ویتشھد فیقول التحیات للّٰہ والصلوٰت والطیبات السلام علیک ایھا
النبی الخ اور تعلیم نبویہ علیہ الصلوٰت والتحیہ ہمیشہ کے لئے تھی۔ نہ صرف چند دنوں
یا چند مہینوں کے لئے۔ باوجود اس کے حضور سرور کائنات سے یہ کہیں ثابت نہیں
کہ آپ نے کسی موقعہ پر صحابہ کرام سے یہ فرمایا ہو۔ کہ میرے انتقال کے بعد صیغہ
خطاب وندا کو بدل دینا۔ اور بجائے اس کے السلام علی النبی پڑھنا۔ ومن
ادعی خلاف ذٰلک فعلیہ البیان حاصل کلام یہ کہ مذکورہ بالا وجوہ سے
یہ امر محقق ومبرہن ہو گیا۔ کہ اول تو تمام صحابہ سے خطاب کا بدلنا ثابت ہی نہیں
اگر کسی ایک سے تبدیل خطاب کا ثبوت ہے۔ تو وہ بھی صرف چند دنوں کے لئے
تھا۔ جس کا سبب استیلائے رنج وغم تھا۔ نہ امر دیگر۔ اگر بنظر تعمق وتدبر
دیکھا جائے۔ تو بالیقین ثابت ہوتا ہے۔ کہ خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترک
خطاب کو پسند نہیں کیا۔ اسی لئے حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کی اس حدیث
شریف کو جس میں ترک خطاب کا ذکر ہے۔ التحیات کے ابواب میں نہیں لائے۔
بلکہ اس کو کتاب الاستیذان میں مصافحہ کے باب میں ذکر کیا ہے۔ جس کو شک
ہو۔ بخاری شریف میں دیکھ لے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ ابن مسعودؓ کا وہ قول
امام بخاری کے نزدیک معمول بہ نہیں۔ ورنہ ضرور اس کو ابواب تشہد میں
لاکر ترک خطاب پر استدلال کرتے۔ شیخ عابد سندھی نے المواھب اللطیفہ فی
شرح مسند ابی حنیفہ میں اس مسئلہ پر نہایت ہی لطیف اور پاکیزہ بحث کی ہے۔
لہٰذا بعینہ ان کی عبارت ذیل میں نقل کرکے اس بحث کو ختم کیا جاتا ہے وھو ہذا
لا شک ان الشارع صلی اللّٰہ علیہ وسلم علمھم لفظ التشھد وقد
اشتمل علی الخطاب ولم ینقل لھم انھم یغیرون ذٰلک اللفظ بعد

وفاته مع ان الموجب في الدنيا بلفظ الغيبة كان موجوداً في زمانه صلى الله عليه وسلم لغيبتهم عن النبي صلى الله عليه وسلم في الاسفار والمغازي والسرايا وغير ذلك لم ينقل عن احد منهم انه كان تشهد بلفظ الغيبة في تلك الحالات على ان عمر رضي الله عنه علم الناس التشهد على المنبر في ايام خلافته فعلمهم بلفظ خطاب كما اخرجه مالك في الموطا عن عبد الرحمن بن القاري ولذلك رواه القاسم بن محمد عن تشهد عائشة الذي كانت تشهد به وذلك لا شك فيه انه بعد وفات النبي صلى الله عليه وسلم وكذلك ما رواه نافع ان ابن عمر كان يتشهد وفيه السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته وكل هذا عند مالك في الموطا وكان ابو موسى يعلم بهذا ايضاً كما اخرجه النسائي وعلم ابن عمر عبد الله ابن ناطي بذلك عند ابي داؤد وعلم سلمان ابا راشد كذلك كما اخرجه الطبراني في الكبير والبزار فهذا كله صريح في انهم حملوا الفاظ التشهد على سبيل التعبد ولم يجعلوه مخصوصاً بزمان دون زمان فغاية ما يفهم من فعل ابن مسعود فيما اخرجه البخاري وغيره ومن فعل الصحابة الذين حكى عنهم عطاء ان يكون اجتهاداً منهم لا انه بتوقيف من الشارع صلى الله تعالى عليه وسلم مع انه لا مجال للاجتهاد

محمد امین وہابی کی دوسری تحریر کا جواب

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد المرسلين خاتم النبيين شفيع المذنبين رحمة للعالمين وعلى آله واصحابه اجمعين الى يوم الدين - **اما بعد** فنقول مکرمی و معظمی السلام علیکم ۔ واضح رائے شریف ہو ۔ کہ آپ کی تحریر دیکھنے سے معلوم ہوا ۔ کہ آپ کی تحریر کا مبنیٰ اور مدار اس

بات یہ ہے۔ کہ درصورت تخاطب وندا مخاطب ومنادی۔ مخاطب ومنادی
کو حاضر وناظر جان کر خطاب وندا کرتا ہے۔ اور یہ شرک وکفر ہے۔ چنانچہ آپ کی
عبارت میں کئی جگہ یہ مضمون موجود ہے۔ آپ کی وہ عبارت درج کی جاتی ہے۔ جو
آپ شروع میں چند سطر کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے۔

(حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ترک کرنا السلام علیک ایہا النبی بوجہ وحد کرنے
زعم فاسد عقائدہ کاسدہ یعنی سرور کائنات کو حاضر وناظر نہ جاننا کے لئے تھا۔)

جواباً عرض ہے۔ کہ آپ کا یہ قاعدہ علی الاطلاق غلط ہے۔ کیونکہ درصورت ندا و
خطاب یہ امر لازم نہیں۔ کہ منادی ومخاطب کو حاضر وناظر سمجھا جائے۔ اور یہ کہنا کہ
حرف یا حاضر وناظر کے لئے بالکل باطل ہے۔ بلکہ علامہ زمخشری کی کلام سے معلوم
ہوتا ہے۔ کہ اصل وضع یا کی ندا بعید کے لئے ہے۔ چنانچہ تفسیر کشاف میں یا ایہا
الناس اعبدوا) کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ (یا حرف وضع فی اصلہ لنداء البعید
وھا صوت یھتف بہ الرجل بمن نیادیہ اما نداء القریب فلہ ای والہمزۃ
انتہی) اور نیز احادیث واقوال صحابہ سے ثابت ہے۔ کہ درصورت نداء وخطاب
منادی ومخاطب کا حاضر وناظر ہونا ضروری اور لازمی نہیں۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کا وہ نامہ شریف جو ہرقل بادشاہ روم کے نام رقم فرمایا تھا۔ اس کے
الفاظ بروائیت بخاری یہ ہیں (اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام
اسلم تسلم) آپ اس میں بادشاہ روم کو حاضر کا خطاب فرما رہے ہیں حالانکہ
آپ ملک عرب میں تھے۔ اور وہ ملک روم میں اور اصحاب کشف سے بھی نہ تھا۔
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب کو کشف کے ذریعہ سے معلوم کر لیتا۔ بلکہ
حضور پرنور سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا شاہ روم کو خطاب کرنا۔ اس بناپر
تھا۔ کہ قاصد اس خط کو لے جاکر ہرقل کے ہاتھ میں دے دے گا۔ اور وہ خود
اس خط کو پڑھ لیگا۔ اور آجتک یہی رسم جاری ہے۔ کہ کاتب مکتوب الیہ کو
الفاظ خطاب لکھ دیتا ہے۔ اور کاتب کا مکتوب الیہ کو خطابیہ الفاظ لکھنا اس
اعتماد اور بھروسہ پر ہوتا ہے۔ کہ کاتب کو ظن غالب ہوتا ہے۔ کہ میرا خط بذریعہ
ڈاک یا قاصد مکتوب الیہ کو مل جائیگا۔ اور نیز روائیت ہے۔ کہ ایک رات آنحضرت

امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہٗ در زمانہ خلافت امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد کی طرف تشریف فرما ہوئے۔ تو مسجد کو کثرت چراغاں کی وجہ سے روشن دیکھ کر حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں دعا فرمائی اور اس میں خطاب و ندا موجود ہے۔ چنانچہ آپ کی دعا کے الفاظ یہ ہیں۔ (نورت مساجدنا نور اللہ قبرک یا ابن الخطاب) سیرت حلبی جلد ثانی صفحہ ۲۳۵ اور یہ بات پوشیدہ اور مخفی نہیں۔ کہ اس موقع پر حضرت علی کا حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو خطاب کرنا بوجہ تعلیم نبویہ علیہ الصلوٰت والتحیہ نہ تھا۔ بلکہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہٗ ایسا فرما رہے ہیں۔ دیکھیئے آپ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے حق میں کیا فتوے صادر فرماتے ہیں۔

اب ایک مسئلہ فقہ کا بھی لکھا جاتا ہے۔ درمختار اور قہستانی وغیرہ کتب فقہ میں لکھا ہے۔ کہ موذن اذان صبح میں الصلوٰۃ خیرٌ من النوم کہے۔ تو سامع صدقت وبررت کہے اور لکھا فقہائے نے کہ یہ جواب بنا حدیث شریف نہیں آیا ہے۔ اور یہ جواب دینا کتب فقہ میں ہرگز مقید بایں امر نہیں کہ سامعین موذن کے پاس آکر جواب دیں۔ دور سے نہ پڑھیں۔ بلکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے۔ کہ جب موذن صبح صادق کے وقت الصلوٰۃ خیرٌ من النوم کہتا ہے۔ تو اس وقت اکثر لوگ اپنے گھروں اور مکانوں میں ہوتے ہیں۔ جہاں سے موذن کا نظر آنا بھی مشکل ہے۔ اور نہ موذن خود ان کے جواب اور خطاب کو سن سکتا ہے۔ بایں ہمہ یہ غائب کو حاضر کا خطاب ہو رہا ہے۔ پس چاہیئے کہ آخری زمانہ کے محدثین کے نزدیک یہ جواب دینے والے سب کے سب دائرہ اسلام سے خارج ہو کر زمرہ کفار میں شمار ہوں حالانکہ وہ مستحق اجر و ثواب ہیں۔ اور ولہ وہابیوں کے نزدیک خود موذن بھی مرتکب شرک ہے۔ کہتا ہے۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ نماز کو دوڑو۔ حالانکہ نمازی پاس نہیں ہوتے اور پاس والوں کو یہ کہہ بھی نہیں سکتا ہے۔ کہ تم دوڑ کر نماز کو آؤ۔ اب حنفی تو خدا کے سپرد ہیں مگر وہابی موذن کی خیر نہیں وہ تو مرغ سحری کے ساتھ چلاتا ہے۔ کہ ہائے نماز کو دوڑو۔ اذن صبح بھی نہیں ہونے دیتا۔ یہاں بھی کہہ دو حکایت ہے۔ انشا نہیں ہے۔ تو پھر صدقت جواب کس کا ہوا۔ اور سنیئے اکیلا نمازی السلام علیکم ورحمۃ اللہ

بلا بوجہ عدم فہم کے

کہتا ہے۔ اس کے پاس کون ہے۔ کس کو حاضر وناظر سمجھتا ہے۔ فرشتے تو صرف دو ہیں۔
گویا کیوں نہیں کہتا۔ مومنین تو حاضر ہی نہیں۔ اگر نیت کر لینے سے یہ سلام جائز ہے
تو حضور علیہ السلام کی نیت کر لینے سے السلام علیک جائز ہو جائے گا۔ ورنہ وہابی
تو یقیناً کافر ہو جائے گا۔" (از مولانا محمد عالم صاحب آسی مصنف الکاویہ لرلنن)

جب مذکورہ بالا بیان سے آپ کے خیالی زعم فاسد وعقائد کاسدہ کا قلع و قمع ہو گیا
تو اب میں آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرانی چاہتا ہوں۔ کہ عام مسلمانوں کو تشہد
میں السلام علیک ایہا النبی کس نیت اور عقیدہ سے پڑھنا چاہیئے۔ آپ کو چاہیئے
کہ تعصب مذہبی چھوڑ کر گوش انصاف سے سنیں۔ اور غور کریں۔ جناب من نمازی کا السلام
علیک ایہا النبی پڑھتے وقت یہ عقیدہ ہونا چاہیئے۔ کہ میں جناب سید عالم صلی اللہ
علیہ وسلم کو خطاب کر کے سلام عرض کر رہا ہوں۔ چنانچہ علامہ قسطلانی اور زرقانی وغیرہ
محدثین خصائص نبویہ علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کے بیان میں تحریر فرماتے ہیں۔ ومنہا
ان المصلی یخاطبہ بقولہ السلام علیک ایہا النبی والصلوٰۃ صحیحۃ ولا
یخاطب غیرہ۔ اس عبارت سے ثابت ہوا۔ کہ نمازی عین نماز میں رسول کریم علیہ
الصلوٰۃ والتسلیم کو حاضر کا لفظ بول کر خطاب کرتا ہے۔ چنانچہ یخاطبہ عبارت مذکور
میں موجود ہے۔ اور شامی میں ہے۔ لا یقصد الاخبار والحکایۃ عما وقع فی
المعراج۔ اس عبارت سے بھی ظاہر ہے السلام علیک ایہا النبی اخبار اور حکایت
کے طور پر نہیں پڑھنا چاہیئے۔ بلکہ بہ نیت خطاب پڑھنا ضروری ولابدی ہے۔ اور
درمختار میں ہے۔ ویقصد بالفاظ التشہد الانشاء کانہ یسلم علی نبیہ
اور فقیہ ابو اللیث سمرقندی تنبیہ الغافلین میں السلام علیک ایہا النبی کی اسطرح
شرح کرتے ہیں۔ یعنی یا محمد علیک السلام اور امام غزالی احیاء العلوم میں تحریر
فرماتے ہیں۔ احضر فی قلبک النبی صلی اللہ علیہ وسلم وشخصہ الکریم
وقل السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اور امام شعرانی میزان
میں لکھتے ہیں۔ کہ شارع نے التحیات میں اس لئے نمازی کو سلام کا حکم فرمایا ہے۔
تاکہ غافلوں کو خبردار کر دے۔ کہ جس پروردگار کے سامنے تم بیٹھے ہو اس دربار میں تمہارے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود ہیں۔ عبارتہ ہذا اسمعت سیدی علیاً الخواص

رحمہم اللہ تعالیٰ بقول انما امر الشارع المصلی بالصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی التشہد تنبیہا لغا فلین فی جلوسہم بین یدی اللہ عزوجل علیٰ شہود نبیہم فی تلک الحضرۃ فانہ لا یفارق حضرۃ اللہ تعالیٰ ابداً فخاطبونہ بالسلام مشافہۃ۔ میزان امام شعرانی مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۳۹

مذکورہ بالا تحقیق سے یہ امر تو پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا۔ کہ ہر نمازی کو لازم ہے۔ کہ السلام علیک ایہا النبی پڑھتے وقت یہی نیت اور ارادہ رکھے۔ کہ سرور کائنات فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے حضور میں تحفہ سلام پیش کر رہا ہوں۔ ورنہ امر الٰہی کی تعمیل یعنی وسلموا تسلیما سے محروم رہے گا۔ اور یہ بات بھی اوپر معلوم ہو چکی ہے۔ کہ در صورت ندا و خطاب منادیٰ ومخاطب کو حاضر و ناظر ہونا جواز خطاب وندا کے لئے کوئی ضروری امر نہیں۔ بلکہ در حق عوام جواز خطاب وندا کے لئے صورتیں ہیں۔ صورت اول سعید ابن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ اعمال امت صبح اور شام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کئے جاتے ہیں۔ اور عرض اعمال کی اور بھی کئی روائتیں ہیں۔ چنانچہ کتب احادیث کے مطالعہ کرنے والے پر مخفی نہیں۔ جب کاتب کو ڈاک اور قاصد کے اعتماد پر لفظ خطابیہ وندائیہ کا لکھنا جائز ہے۔ تو مضمون حدیث کے اعتماد پر کہ ہمارے اعمال و اقوال صبح و شام حضور کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ کیونکر خطاب وندا جائز اور صحیح نہ ہو گا۔ بلکہ اس کے جواز میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ صورت دوم۔ جس کو کسی کا عشق ہوتا ہے۔ اس کا نقشہ عاشق کی آنکھوں میں پھرا کرتا ہے۔ تو اس اعتبار سے عاشق اپنے معشوق کو خطاب وندا کرتا ہے لہٰذا عوام کو چاہیئے۔ کہ صورت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کو اپنے دل میں حاضر کر کے السلام علیک ایہا النبی پڑھیں۔ جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہے۔ کہ خواص کا جناب احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو السلام علیک ایہا النبی کے ساتھ خطاب کرنا بالمشافہ ہوتا ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو کر تحفہ اسلام جو مشتمل بر خطاب ہے۔ پیش کرتے ہیں۔ جیسا کہ امام شعرانی کی مذکورہ عبارت سے ہویدا ہے۔ اور ایسا ہی لکھا ہے۔ عینی اور قسطلانی نے

دیکھو عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری اور مواہب لدینہ رد دیکھو غیر مقلدوں سے امام آخرزمان نواب صدیق حسن خاں بھوپالوی اپنی کتاب مسک الختام میں کیا تحریر فرماتے ہیں۔ بذا عبارتہٗ نیز آنحضرت ہمیشہ نصب العین مومناں وقرۃ العین عابداں است در جمیع احوال و اوقات خصوصاً در حالت عبادات ونورانیت وانکشاف دریں محل بیشتر وقوی تر است وبعضے از عرفا قدس اللہ اسرارہم گفتہ انداین خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است علیہ الصلوٰۃ والسلام در ذرائر موجودات وافراد ممکنات۔ پس آنحضرت درذات مصلیان موجود و حاضراست۔ پس مصلی رابائد۔ کہ ازیں معنے آگاہ باشد وازیں شہود غافل نبود۔ تابانوار قرب و اسرار معرفت منور وفائز گردد۔ ارے سے

در راہ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست
مے بینمت عیاں و دعائے فرستمہ

اور نیز مولوی صاحب محمد اسحاق بھی تشہد میں جواز خطاب کے قائل ہیں چنانچہ مائۃ مسائل کے سوال بست وچہارم میں تحریر فرماتے ہیں۔ (در التحیات خطاب برائے رسانیدن سلام وارد شدہ) اور تفاوت مراتب مدارج مومنین حدیث محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام والرحمۃ سے ثابت ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں کتاب الایمان کے شروع میں ایک طویل حدیث شریف ہے۔ جس میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ (قال فاخبرنی عن الاحسان قال ان تعبد اللہ کانک تراہ فالم تکن تراہ) اور نیز مومن کامل عرش رب العالمین کو دیکھتا ہے۔ اور اہل بہشت کو آپس میں ملاقات کرتے۔ اور دوزخیوں کو دوزخ میں چلاتے دیکھتا ہے۔ جیساکہ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں ایک لمبی حدیث مبارک بروایت انس رضی اللہ عنہٗ ہے۔ جس میں یہ مذکور ہے۔ کہ جب حارثہ بن سراقہ نے کہا۔ اصبحت مومناً حقاً تو حضور نے فرمایا (انظر ما تقول فان لکل قول حقیقۃ" فما حقیقۃ ایمانک قال یارسول اللہ عزلت نفسی عن الدنیا فاسہرت لیلی واظمات نہاری وکانی لعرش ربی عزوجل بارزاً وکانی انظر الی اہل الجنۃ یتزاورون وکانی انظر الی اہل النار یتغاوون فیہا

ناظرین غور کریں

قال النبی علیہ السلام عبد نور الله الایمان فی قلبہ (الحدیث)
اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اتقوا من فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ عزوجل (رواہ حکیم الترمذی
عن ابی سعید) ترجمہ:۔ فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرو مومن کی تاڑ سے
کہ وہ دیکھتا ہے۔ اللہ عزوجل کے نور سے۔ انہیں حدیثوں کے مطابق مولانا
روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

لوح محفوظ ست پیش اولیاء
از چہ محفوظ است محفوظ از خطاء

الحاصل مومن کامل جو موصوف بہ ایمان حقیقی ہوتا ہے۔ ہر زمانہ میں عزیز الوجود
ہوتا ہے۔ خصوصاً اس زمانہ میں بنہایت ہی نادر الوجود ہے۔ چنانچہ حضرت امیر
کبیر رحمۃ اللہ علیہ ذخیرۃ الملوک میں تحریر فرماتے ہیں۔ (اول آنکہ عالم باللہ
بود بنفسہ او عالم باللہ بود بجوارح وایں اکمل خلفاء معنویت و در عصر و
زماں وجود شریف چنیں کس کم یافت و نادر بود و ہر کہ بدولت نظر او
مشرف گرد و سعادت ابدی یافت ۱۲)
اب غور کیجئے کیا ہر کس و ناکس اپنے آپ کو ان مراتب عالیہ کا مستحق
سمجھ سکتا ہے۔ حاشا وکلا۔ ہرگز نہیں۔ جس شخص کی نماز میں یہ حالت ہو۔
کہ گویا اپنے پروردگار کو دیکھ رہا ہے۔ اور جس کا یہ رتبہ ہو۔ کہ عرش رب العالمین
اور اہل بہشت اور اہل دوزخ کو دیکھتا ہو۔ اس کو کیا مشکل ہے۔ کہ جناب
سرور کائنات علیہ الصلوات والتسلیمات کے حضور میں حاضر ہو کر تحفہ اسلام
بصیغہ خطاب یعنی السلام علیک ایہا النبی پیش کرے۔ تقریر مذکور سے
یہ امر ثبوت کو پہنچ گیا۔ کہ طیبیؒ اور امام شعرانی کا یہ لکھنا کہ عرفاء کا السلام
علیک ایہا النبی کے ساتھ خطاب کرنا مشافہۃً ہوتا ہے۔ اور امام عینیؒ کا
عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں اور امام قسطلانی کا مواہب لدنیہ میں
اس کی تائید فرمانا انہیں حدیثوں کی بنا پر ہے۔ اور یہی حدیثیں اس مدعی کی
یعنی اہل عرفان کو اس قدر انکشاف ہوتا ہے۔ کہ عرش اور اہل بہشت اور اہل دوزخ

اُن کے پیش نظر ہوتے ہیں ۔ بلکہ اُن کی یہ حالت ہوتی ہے ۔ کہ گویا اللہ کو دیکھ رہے ہیں ۔ اوّل دلیل ہیں ۔ (صدق اللّٰہ العزیز) لا یستوی الاعمٰی والبصیر اور جو عبارت آپ نے علامہ طیبی کے رد میں فتح الباری سے نقل کی ہے ۔ اس کا بھی کامل طور پر رد ہو گیا ۔ کیونکہ وہ عبارت ان حدیثوں کے مخالف ہے ۔ فافھم ولا تکن من الذین لا یفقھون ۔ اور نواب صدیق حسن خاں کی عبارت نے تو آپ کی ساری تقریر کا خاکہ اڑا دیا ۔ کما لا یخفی ۔ اور مولوی محمد اسحاق مرحوم نے بھی آپ کی تقریر کو غیر معتبر اور پوچ ثابت کر دیا ۔ کیونکہ وہ مختلف فیہ صورت میں جواز خطاب کے قائل ہیں ۔ صحابہ اور تابعین میں سے اکثر کا عمل عبد اللہ بن مسعود کے اسی تشہد پر ہے ۔ جس میں السلام علیک ایھا النبی ہے ۔ اور اسی التحیات کو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے ۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے التحیات کو پسند فرمایا ہے ۔ اور اس میں بھی صیغہ خطاب موجود ہے ۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے التحیات پر عامل ہیں ۔ اور اس تشہد میں بھی خطاب حاضر " حاضر " اور آپ نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری اور قسطلانی کی جو عبارت نقل فرمائی ہے ۔ وہ آپ کو مفید نہیں ۔ بلکہ سراسر آپ کے مدعیٰ کے برخلاف ہے ۔ نیز آنکہ امام عینیؒ اور امام قسطلانی کا یہ تحریر فرمانا صرف حدیث شریف کا مضمون بیان کرنا مقصود ہے ۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ۔ کہ عینی اور قسطلانی کا بھی مذہب ہے ۔ اور وہ ایسا ہی پڑھتے ہیں ۔ بلکہ یقینی طور پر ثابت ہے ۔ کہ امام عینی اور قسطلانی کا عمل ترک خطاب پر نہیں تھا ۔ بلکہ یہ دونو امام السلام علیک ایھا النبی بصیغہ خطاب پڑھا کرتے تھے دیکھو عمدۃ القاری شرح بخاری (عینی) جلد ثالث میں امام عینیؒ عبد اللہ بن معود رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کا جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ابواب تشہد میں لائے ہیں ۔ اور اس میں السلام علیک ایھا النبی علی الاطلاق ہے ۔ مضمون اور شرح تحریر فرما کر لکھتے ہیں ۔ (ذکرنا یستفاد منہا وھو علی وجوہ الاوّلی فیما ورد من الاختلاف فی الفاظ التشھد وروی فی ھذا الباب عن ابن

مسعود و ابن عباس و عمر بن الخطاب و عبد اللہ بن عمر و عائشہ رضی اللہ عنہا و عبد اللہ بن الزبیر و جابر بن عبد اللہ و ابی سعید الخدری و ابی موسیٰ الاشعری و معاویہ و سلمان و ابی حمید رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ۔ سمرۃ رضی مصنف کو ایک صحابی کا نام لکھنا یاد نہیں ۔ اب اصل کتاب

اس کے بعد ایک ایک کی حدیث کو خیز تحریر میں لاتے ہیں ۔ (کلہا مشتملۃ علیٰ صیغۃ الخطاب ۔) ان حدیثوں کے نقل کرنے کے بعد پھر لکھتے ہیں فالواجملۃ من روی بالتشہد من الصحابۃ اربعۃ وعشرون صحابیا رضی اللہ عنہم اجمعین ۔ اس کے بعد وجہ ثانیہ میں عبد اللہ بن مسعود کی روایت کو جملہ روایات مذکورہ پر ترجیح دیتے ہیں ۔ چنانچہ لکھتے ہیں ۔ الوجہ الثانی فی ترجیح تشہد ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ علیٰ جمیع روایات غیرہ قال الترمذی اصح حدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی التشہد حدیث ابن مسعود والعمل علیہ عند اکثر اہل العلم من الصحابۃ والتابعین ثم اخرج عن معمر عن خصیف قال رایت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی المنام فقلت ان الناس قد اختلفوا فی التشہد فقال علیک بتشہد ابن مسعود الخ الغرض امام عینی رحمۃ اللہ نے جو دلائل ترجیح تشہد ابن مسعود میں بیان فرمائے ہیں ۔ ایک صفحہ سے زائد ہیں جس کو تردد ہو ۔ اصل کتاب دیکھ کر اطمینان کر سکتا ہے ۔ اس ساری تحقیق میں اس حدیث کا جس میں خطاب بدلنے کا ذکر ہے ۔ اور امام بخاری اس کو کتاب الاستیذان میں لائے ہیں ۔ نام تک نہیں لیتے ۔ تو نتیجہ اظہر من الشمس ہے ۔ من ادعیٰ خلاف ذٰلک فعلیہ البیان بالبرہان ۔ باقی رہا یہ امر کہ امام قسطلانی التحیات میں السلام علیک ایہا النبی بصیغہ خطاب پڑھنے کے قائل ہیں یا بصیغہ غیبت ۔ سو یہ بات بھی اہل علم پر مخفی نہیں ۔ کہ امام قسطلانی کا مذہب بھی بصیغہ خطاب پر ہی ہے ۔ نہ بصیغہ غیبت دیکھو مواہب لدنیہ جلد ثانی صفحہ ۲۲۹ میں آپ لکھتے ہیں ۔ (الفرع الثالث عشر فی ذکر تشہدہ صلی اللہ علیہ وسلم

کان صلی اللہ علیہ وسلم یتشہد دائما فی ہذا الجلستا الاخیرۃ

ویعلم الصحابۃ ان یقولوا التحیات المبارکات الصلوات الطیبات للہ السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ الی آخر التشہد پھر لکھتے ہیں۔ رواہ مسلم من روایۃ ابن عباس و ہو الذی اختارہ الشافعی لزیادۃ المبارکات الخ پھر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں۔ وقال ابو حنیفۃ و احمد و جمہور الفقہاء و اہل الحدیث بتشہد ابن مسعود افضل لانہ عند المحدثین اشد صحۃً وقال مالک رحمۃ اللہ بتشہد عمر بن الخطاب الموقوف علیہ افضل لانہ علمہ للناس علی المنبر ولم ینازعہ احد فدل علی تفضیلہ) پھر چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ فان قلت ما الحکمۃ فی العدول عن الغیبۃ الی الخطاب فی قولہ السلام علیک ایہا النبی مع ان لفظ الغیبۃ ہو الذی یقتضیہ السیاق الخ پھر لکھتے ہیں۔ اجاب الطیبی بما محصلہ نحن نتبع لفظ الرسول بعینہ الذی علمہ للصحابۃ ویحتمل ان یقال علی طریق اہل المعرفۃ باللہ ان المصلین لما استفتحوا باب الملکوت بالتحیات اذن لہم فی الدخول فی حریم الحی الذی لا یموت فقرت اعینہم بالمناجات فنبہوا علی ان ذلک بواسطۃ نبی الرحمۃ وبرکۃ متابعتہ فالتفتوا فاذا الحبیب فی حرم الحبیب حاضر فاقبلوا علیہ قائلین السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ انتہی۔ حاصل کلام امام قسطلانی اس فرع میں عبد اللہ ابن سنجرہ والی حدیث کا ذکر تک نہیں کرتے نہ اشارۃً نہ کنایۃً نہ صراحۃً اور نہ کہیں تبدیل خطاب کی طرف ایما کرتے ہیں۔ خلاصہ مرام یہ ہے۔ کہ امام عینی و قسطلانی کی تحقیق سے ثابت ہوگیا۔ کہ عبد اللہ بن سنجرہ والی روایت بالکل غیر معمول بہا ہے۔ اس پر کسی کا فقہا اور محدثین سے عمل نہیں۔ کما لا یخفی۔ والمنصف و لا تکن من المتعصبین) اور آپ کا یہ تحریر فرمانا کہ بلکہ کتاب الاستیذان باب المصافحہ میں اسواسطے لائے ہیں۔ اس میں ذکر ہے۔ وکفی بین کفیہ الخ یہ لکھنا آپ کا آپ کے تبحر علمی کی دلیل ہے۔ جناب من آپ کو پہلے سوچنا ضرور ہے

تھا۔ کہ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن مسعود کا ہاتھ پکڑنا
بطور مصافحہ تھا یا برائے غرض دیگر تھا مگر آپ نے بغیر سوچ سمجھے لکھدیا۔ میں کہتا ہوں
کہ جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰت والتسلیمات کا ابن مسعود کا ہاتھ پکڑنا
اس وجہ سے تھا۔ کہ ابن مسعود ہمہ تن ایک طرف متوجہ ہوں۔ اور تشہد اچھی طرح
ضبط کریں۔ اس پر دلیل عبداللہ ابن مسعود کا یہ فرمانا۔ یعلمنی النبی صلی اللہ
علیہ وسلم کفی بین کفیہ التشہد کما یعلمنی السورۃ من القرآن
اور عبداللہ بن مسعود بھی اکثر اپنے شاگردوں کا ہاتھ پکڑ کر تعلیم تشہد کیا کرتے تھے
اور ان کے تلامذہ بھی اکثر ایسا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ میری پہلی تحریر میں بحوالہ فتح القدیر
یہ روائیت موجود ہے۔ کہ عبداللہ بن مسعود نے علقمہ کا ہاتھ پکڑا۔ اور تشہد سکھایا
اور علقمہ نے ابراہیم کا اور ابراہیم نے حماد کا اور حماد نے ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم کا
اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریقہ تھا۔ کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بروقت
تعلیم کسی قسم کا کوئی اشارہ یا کوئی اور حرکت دیکھتے۔ تو سامعین کو ایسا کرکے دکھلاتے
اور فرماتے کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا۔ اس بیان سے ثابت
ہوگیا۔ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ابن سنجرہ والی حدیث کو ابواب تشہد میں
نہ لانا اور اس کے ساتھ ترک خطاب پر استدلال نہ کرنا اسی بنا پر تھا۔ کہ یہ
روائیت ان کے نزدیک معمول بہا نہ تھی۔ ورنہ ہرگز ایسا نہ کرتے۔ کیونکہ بخاری میں
ایک حدیث کو مکرر سہ مکرر لانا امام بخاری کا طریق ہے۔ اگر اس حدیث کو بھی اپنی
عادت کے مطابق مکرر لاتے۔ تو کچھ مشکل اور محال نہ تھا۔ پس اگر اب بھی آپ اپنی
ضد پر اڑے رہے۔ تو آپ کو یہ امر ثابت کرنا لازم ہے۔ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ
علیہ التحیات میں بجائے السلام علیک ایہا النبی کے السلام علی النبی پڑھتے تھے۔
(دونہ خرط القتاد) اگر آپ بخاری کو کسی کامل استاد سے پڑھتے۔ اور شرح بخاری
کو بہ نظر عمیق دیکھتے تو ایسا سطحی مضمون نہ لکھتے۔ اور جناب کا یہ لکھنا ہاں صاحب
ہم بھی اس بات کو مانتے ہیں۔ بلکہ مقابلہ میں پیش کرنا لاعلمی پر مبنی ہے۔ اور
اُن کے حق میں ایسا خیال کرنا (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں) کہ انہوں نے
شارع کا مقابلہ کیا ہے۔ بری بات ہے۔ اور صحابہ پر موجب الزام الخ

"سوال از آسماں جواب از ریسماں خیزد"
کا مصداق ہے۔ جناب والا شارع صلی اللہ علیہ وسلم کی عبارت کا وہ مطلب نہیں۔ جو آپ نے سمجھا ہے۔ بلکہ اس کے یہ معنے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم مطلق جو بلا قید حیات وممات وقرب و بعد مکانی و زمانی کے ہے یعنی حضور کا علی العموم یہ فرمانا اذا صلی احدکم فلیقل التحیات الخ اور اذا قعد احدکم فلیقل التحیات الی آخرہ فاذا جلستم فقولوا التحیات ان سب روائتوں میں خطاب بلا قید موجود ہے۔ اس اطلاق کو صحابہ نے بعد وفات مقید کیا۔ جیسا کہ ابن سنجرہ والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔
اور شارع صلی اللہ علیہ وسلم کی عبارت میں)
فی مقابلتنا ما عینہ الشارع ہے، نہ کہ فی مقابلۃ الشارع۔ تاکہ آپ کا اعتراض وارد ہو۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے۔ کہ اطلاق شارع صحابہ کے اجتہاد سے مقید نہیں ہو سکتا۔ علاوہ بریں یہ ہے۔ کہ عبداللہ ابن مسعود سے چند راویوں نے تشہد کو روائیت کیا ہے۔ یعنی شفیق و علقمہ و اسود وابوالاحوص و ابو عبیدہ و عبداللہ بن سنجرہ۔ سو کسی نے سوائے عبداللہ ابن سنجرہ کے یہ روایت نہیں کیا۔ کہ عبداللہ ابن مسعود نے بعد انتقال صلی اللہ علیہ وسلم السلام علیک ایہا النبی ترک کر دیا تھا۔ اور اس کی جگہ السلام علی النبی پڑھتے تھے اور ابن سنجرہ کی روائیت کا یہ حال ہے۔ کہ ان کے آگے دو اور راوی ہیں۔ ایک اعمش دوسرا سیف بن سلیمان سو اعمش کی روایت میں وہ فقرہ نہیں سیف بن سلیمان کی روائیت میں ہے۔ وہ اگرچہ ثقہ ہے۔ لیکن متہم بالقدر ہے۔ پس جب کہ جمیع صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے طبقۃً بعد طبقۃ اس وقت تک تمام امت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام شرقاً غرباً جنوباً شمالاً وہی تعلیم مطلق ہوتی چلی آئی ہے۔ تو پھر ایک روایت غیر معمول بہا کو پیش کرنا بے انصافی نہیں تو اور کیا ہے۔ اللّٰہمّ اہدنا۔ جب آپ کے اس زعم کا جو آپ کے دل میں کون ہے۔ اور بار بار آپ اپنی عبارت میں اس کو زعم فاسد عقائد کاسدہ سے تعبیر کر رہے ہیں۔ ازالہ ہو گیا۔ تو اب میں آپ کو یہ تبلا دینا ضروری سمجھتا ہوں

کہ عبد اللہ بن سبجرہ والی حدیث میں حضرت عبد اللہ بن مسعود کا فلما قبض
قلنا السلام سے کس امر کا اظہار مقصود ہے۔ اور بن مسعودؓ کو یہ جملہ معرض بیان
میں لانے کی کیا ضرورت محسوس ہوئی۔ سو جناب من جب اس فقرہ کو بنظر
عمیق و دقیق دیکھا جائے۔ اور اس کے سمجھنے میں عقل اور فکر سے کام لیا جائے
تو وہ ضرورت روز روشن کی طرح جلوہ گر اور رونما ہو جاتی ہے۔ اور وہ یہ
ہے۔ کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کا یہ بات ظاہر کرنا ...... مقصود ہے۔
کہ صحابہ رضی اللہ عنہم بعد انتقال شریف کے بھی التحیات میں وہی سلام عرض
کیا کرتے تھے۔ جو آپ کی حیات میں پڑھا کرتے تھے۔ یعنی السلام علیک ایہا
النبی تاکہ حاضرین کا خدشہ ندا وغیرہ کے باب میں بنظر فعل صحابہ رفع ہو جائے
اور کوئی یہ نہ سمجھے۔ کہ بعد انتقال شریف آپ کو ندا و خطاب کرنا جائز ہے۔ اور
یہ بات مطابق واقع کے ہے۔ کہ فعل صحابہ ایسا ہی تھا۔ (یعنی السلام علیک ایہا
النبی کا پڑھنا) کما مر انفا۔ اور اس توجیہ پر۔ الف۔ لام۔ قلنا السلام میں عہد کا
ہوگا۔ مطلب یہ ہوا۔ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔ تو کہا
(یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم نے) ہم نے التحیات میں وہی سلام جس کی ہم کو تعلیم تھی
اور قرینہ اس پر یہ ہے۔ کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود نے فلما قبض کے جواب
میں صرف سلام پر اکتفا کیا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کو
(ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو) نفس سلام سے مخاطب کو خبر دینا منظور ہے۔
اگر خطاب بدلنے کا اخبار منظور ہوتا۔ تو صرف السلام پر اکتفا نہ کرتے۔ بلکہ غیب
کی تصریح کر دیتے۔ (غیب سے مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب اقدس
کو غیب سمجھنا۔ مگر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ غیب نہیں خیال
فرماتے) اور اگر لفظ السلام کو مقولہ قلنا کا بنایا جائے۔ تو لازم آتا ہے۔ کہ صرف
السلام کہتے ہوں۔ بغیر ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو ظاہر البطلان (اس کا
باطل ہونا ظاہر ہے) اور نیز اس توجیہ کی مؤید ہے۔ وہ روایت جو فتح الباری
میں ہے۔ عبد اللہ بن عباس نے عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کو کہا۔ کہ
السلام علیک ایہا النبی اس وقت کہا کرتے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

دنیاوی حیات رکھتے تھے فقال ابن عباس، انما کنا نقول السلام علیک اذ کان
حیا فقال ابن مسعود ھکذا علمناہ وھکذا نعلمہ۔

جب میں نے اپنی اس تحریر میں اچھی طرح ثابت کر دیا ہے۔ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم
سے ترک خطاب ثابت نہیں۔ اور یہ مضمون میری پہلی تحریر میں موجود ہے۔ پھر
اس کے ترک کے ترک ہونے کا ثبوت طلب کرنا آپ کی علمیت کی دلیل ہے۔

فہم سخن گر نہ کند مستمع :. قوت طبع از متکلم مجوی

ترجمہ:۔ اگر تیرا فہم بات نہ سنے تو اپنی طبعیت کی قوت کو کلام کرنے والے
سے صحیح کرنے کی کوشش نہ کر۔ متکلم کا سر نہ کھا۔ اپنی فہم کے ناخن تراشں

اللّٰھم اغفر لمصنفہ ولمن سعی فیہ و لکاتبہٖ

احقر عباد اللہ القادر المذنب الضعیف

غلام قادر عفی عنہ حنفی مذہباً بھیراوی مولداً

امرتسری مسکناً

تمت بالخیر

تقریظ استاد العلماء، والفضلاء عالیجناب حاج الحرمین شریفین حضرت مولانا صاحبزادہ

محمد حسین صاحب مہتمم دار العلوم نقشبندیہ علی پور شریف

میں نے اس رسالہ کو اول سے آخر تک مطالعہ کیا۔ اس کے دلائل نہایت معقول
عقل ونقل کے مطابق اور قابل تعریف ہیں۔ اہل علم کے لئے یہ رسالہ قابل دید ہے
مولی حقیقی مولف کو جزائے خیر دیوے۔ اور طالبان ہدایت اور انصاف پسند
طبائع کو اس سے بہرہ ور کرے۔ آمین ثم آمین

بقلم خود محمد حسین عفی اللہ عنہ مہتمم مدرسہ نقشبندیہ
علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

السوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ ذکر باواز بلند مطلقاً و بعد نماز جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب :- اقول بتوفیق اللہ الوہاب وھو الموصل الی الصواب

ذکر بلند عموماً و بعد صلوٰۃ خصوصاً بموجب حدیث قدسی و احادیث نبویہ علی صاحب الصلوٰۃ والتحیہ وباتفاق علمائے حنفیہ مشروع و جائز ہے۔ (۱) حدیث قدسی. وان ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر منھم رواہ الشیخان (۲) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال کنت اعرف انقضاء صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالتکبیر متفق علیہ (۳) عن عبد اللہ ابن زبیر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم من صلوٰتہ یقول بصوتہ الاعلیٰ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئ قدیر۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ ولا نعبد الا ایاہ لہ النعمۃ ولہ الفضل ولہ الثناء الحسن لا الہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون رواہ مسلم مشکوٰۃ شریف باب الذکر بعد الصلوٰۃ باب اول

حدیث اول یعنی حدیث قدسی سے حلقہ کی صورت میں ذکر جہر کرنا روشن اور ہویدا ہے۔ باقی ہر دو حدیث نبوی سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بمجرد سلام پھیرنے کے ذکر جہر میں مشغول ہو جاتے تھے۔ باوجود آنکہ اسوقت مسبوق یعنی وہ شخص جس کے اقتداء سے پہلے کچھ نماز پڑھی جا چکی ہو۔ موجود ہوتے تھے۔ اگر نمازی کے پاس ذکر بلند کرنا ممنوع اور غیر مشروع ہوتا۔ تو آں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز ایسا نہ کیا کرتے واحفظہ فانہ ینفعک

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ محدث دہلوی نے لفظ ذکر پر جو باب الذکر میں ہے۔ یہ حاشیہ لکھا ہے۔ قد ثبت شرعیۃ جہر الذکر علی الاطلاق وبعد الصلوٰۃ وردت فیہ احادیث کما سیجئ الخ سیجئ سے اشارہ انہیں حدیثوں کی طرف ہے۔ جو ہم نے اوپر نقل کی ہیں۔ اب فقہاء کی تحقیق و تدقیق کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ دیکھو کتاب کنز اس باب میں جس میں مفسدات و مکروہات

نماز تحریر فرماتے ہیں یہ مسئلہ اس طرح لکھتے ہیں (الصلوٰۃ الی ظہر قاعد یتحدث
اور صاحب بحر الرائق اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔ ای لا تکرہ فی الجامع
الصغیر وفی روایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ یکرہ لہ ان
یصلی وقبالتہ نیام او قوم یتحدثون لما اخرجہ البزار عن ابن عباس
مرفوعا نہیت ان اصلی الی النیام والمتحدثین واجیب بانہ محمول فی
النائمین علی ما اذا خاف ظہور صوت منہم یضحکہ ویخجل النائم
اذا انتبہ وفی المتحدثین علی ما اذا کان لہم اصوات یخاف منہا
التغلیط او شغل البال ونحن نقول بالکراہۃ فی ہذا ثم یعارض الحدیث
المذکور فی النائمین ویقدم علیہ لقوتہ ما فی الصحیحین عن عائشۃ
قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی صلوٰۃ اللیل کلہا
وانا معترضۃ بینہ وبین القبلۃ فاذا اراد ان یوتر ایقظنی فاوترت
وانما قید بقولہ یتحدث لیفید عدم الکراہۃ الی ظہر من لا یتحدث
بالاولی ولعلہ متفق علیہ وقد کان یفعلہ ابن عمر اذا لم یجد
ساریۃ یقول لنافع ولّ ظہرک الیّ وافاد کلامہم انہ لا کراہۃ علی
المتحدث وہذا النقل الشاذ عن الصحابۃ رضی اللہ عنہم ان
بعضہم کانوا یقرءون القرآن وبعضہم یتذاکرون العلم والمواعظ
وبعضہم یصلون ولم ینہہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک
ولو کان مکروہا لنہاہم انتہی البحر الرائق جلد دوم صفحہ ۳۱ مطبوعہ مصر)

البحر الرائق کے مؤلف کی تحقیق سے مفصلہ ذیل امور ظاہر ہوتے ہیں۔

(۱) اگر کوئی نمازی نماز کے لئے آئے۔ اور کچھ آدمی وہاں بیٹھے باتیں کر رہے
ہوں۔ اور نمازی کو نماز میں غلطی ہونے یا دل کا اس طرف متوجہ ہو جانے کا خوف
وخطرہ ہو۔ تو اس کو ان کے پاس نماز پڑھنی مکروہ ہے۔ ورنہ نہیں۔

(۲) زمانہ نبویہ علیہ الصلوٰۃ والتحیہ میں بعض صحابہ قرأت قرآن شریف۔ بعض
تعلیم وتعلم مسائل اور مواعظ میں مشغول ہوتے۔ اور بعض وہیں کھڑے نماز
پڑھتے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت کا ملاحظہ فرماتے۔ اور کسی

ایک کو منع نہ فرماتے۔ اگر نمازی کے پاس قرآن شریف پڑھنا یا ذکر و اذکار میں مشغول ہونا۔ ناجائز ہوتا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضرور منع فرماتے۔

اذ لیس فلیس۔

(۳) باتفاق فقہاء نمازی کے پاس باتیں کرنے والے پر کسی طرح کی کراہت نہیں۔ دیکھو قول صاحب البحر الرائق "وافاد کلامہم ھنا انہ لا کراھۃ علی المتحدث" پس نمازی کے پاس ذکر کرنیوالا یا درود شریف پڑھنے والا بطریق اولیٰ کراہت سے بری اور صاف ہوگا فافھم ولا تکن من الغافلین

دفع دخل مقدر۔ اگر کوئی شخص آیہ کریمہ واذکر ربک فی نفسک تضرعا و خفیۃ" الایۃ کو پیش کر کے یہ کہے کہ ذکر خفی لازمی اور ضروری ہے تو جواب اس کا اس طرح پر ہے۔ کہ صیغہ امر "اذکر" جو آیہ مذکورہ میں ہے۔ ایجاب ولزوم کے لئے نہیں بلکہ استحباب اور اباحت کے لئے ہے۔ تو آیہ کریمہ کا حاصل یہ ہوا کہ ذکر خفی افضل ہے۔ سو ہماری کلام افضلیت اور غیر افضلیت میں نہیں بلکہ جواز اور عدم جواز میں ہے۔ سو یہ امر دیگر ہے۔ لہٰذا یہ آیہ کریمہ ہمیں مضر نہیں۔ واحفظہ فانہ دقیق

احقر عباد اللہ القادر المذنب الضعیف
غلام قادر عفی عنہ حنفی مذہباً۔ بسلوی مولداً امرتسری مسکناً

تقریظات

رئیس الحکماء والمتکلمین شیخ العلماء والمحدثین حاجی الحرمین شریفین استاذ العلماء علامۃ العصر مفتی پنجاب مرجع اہلسنت حضرت مولنا ابو البرکات سید احمد صاحب ناظم مرکزی انجمن حزب الاحناف ہند لاہور

حضرت مولانا مولوی غلام قادر صاحب مدظلہ العالی نے جو مسئلہ تحریر فرمایا ہے۔ عین صواب ہے۔ یعنی بعد نماز فرض جن کے بعد سنن موکدہ نہ ہوں۔ جیسے فجر۔ عصر با واز بلند درود شریف پڑھنا بلاشبہ جائز ہے۔ اور اہلسنت کا یہی معمول ہے کہ جن نمازوں کے

بعد سنت پڑھی جاتی ہیں۔ تو بعد فراغ از سنتیں درود شریف یا کلمہ تمجید یا کچھ اور پڑھتے ہیں۔ اور جن نمازوں کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھی جاتی۔ تو سلام کے بعد باآواز بلند درود شروع کر دیتے ہیں اور مقصود اس سے یہ ہے۔ کہ جن کو درود یاد نہیں اُن کو بھی یاد ہو جائے۔ اور جو فارغ اور غافل بیٹھتے ہیں۔ وہ بھی درود خوانی میں مشغول ہو جائیں۔ یہ طریقہ نہائت مستحسن ہے۔ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وبارک وسلم سے بھی بعد نماز باآواز بلند ذکر کرنا ثابت ہے۔ جیسا کہ مولانا ممدوح نے ارقام فرمایا۔

وہابیہ۔ دیوبندیہ۔ نجدیہ یارسول اللہ کہنے سے مثل شیطان کہ لاحول سے بھاگتا ہے گھبراتے ہیں۔ جو کھلے وہابی ہیں وہ ندا یا رسول اللہ کو شرک وکفر قرار دیتے ہیں۔ اور پڑھنے والے کو مشرک اور جو تقیہ ساز حنفی نما وہابیت فروش ہیں۔ وہ ان چیزوں کو انواع واقسام کے حیلہ تراش کر روکنا چاہتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں نماز میں خلل واقع ہوتا ہے کبھی کہتے ہیں صحابہ نے ایسا نہیں کیا۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ حدیث سے ذکر جہر بعد الصلوٰۃ ثابت ہے۔ رہا نماز میں خلل کا واقع ہونا۔ تو تم جماعت سے کیوں پیچھے رہتے ہو۔ عام نمازیوں کیطرح جماعت میں شریک ہو تکبیر اولیٰ سے نماز ادا کرو۔ حدیث میں ہے لا یتخلف عن الجماعۃ الا منافق جماعت سے پیچھے نہیں رہتا۔ مگر منافق معترض کو چاہیئے۔ کہ منافق نہ بنے۔ اور سبیل مومنین کے خلاف نہ کرے۔ اور شروع سے جماعت کیساتھ شریک ہو کر نماز ادا کرے۔ کبھی خلل واقع نہ ہو گا۔ علاوہ ازیں متخلفین عن الجماعۃ کا ہم کیوں لحاظ کریں۔ ان کی سستی اور کاہلی کی بنا پر ہم اپنا ورد وظیفہ کیوں ترک کریں۔ ہاں جہاں پہلے سے مسلمان سو رہے ہیں۔ یا تلاوت قرآن میں مشغول ہیں۔ یا نماز ادا کر رہے ہیں۔ وہاں ذکر جہر کی اجازت نہیں۔ کہ ان کے حقوق تلف کرنا ہے۔ اور جہاں جماعت ہو چکی اور جماعت نے درود شریف یا ذکر شروع کر دیا۔ تو اب اکا دوکا آنیوالوں کا لحاظ نہ کیا جائیگا۔ جیسے خطبہ شروع ہونے کے بعد خطیب آنیوالوں کا لحاظ نہیں کرتا۔ رہا یہ امر کہ ذکر جہر کو رولا اور شور وغوغا وغیرہ کہا۔ تو ان لوگوں سے کیا تعجب ہے۔ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص وتوہین کے در پے ہیں۔ جیسے وہابیہ دیوبندیہ خذلہم اللہ تعالیٰ وہ اگر اور بھی کچھ بک دیں۔ تو کافر ومرتد سے اس کے سوا اور کیا امید ہے۔ بہر حال مذکورہ بالا صورتوں میں درود خوانی وغیرہ سب جائز بلکہ مستحسن ومندوب ہے مارآہ المؤمنون حسنا فھو عند اللہ حسن اور المستحب ما احبہ العلماء

تعجب ہے۔ ان بدنصیبوں کو درود خوانی سے خلل ہوتا ہے۔ اور مسجد کے پڑوس میں ہارمونیم گراموفون اور شور و شر ہوتا ہے۔ کچھ خلل واقع نہیں ہوتا۔ بازاروں میں تماشے باجے بجیں۔ جو درحقیقت مخل صلوٰۃ ہیں۔ ان کے انسداد کی طرف کبھی توجہ مبذول نہیں کرتے ؎ ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا۔ فقط

مسلمان ایسے بے دین گمراہ لوگوں کو جو درود شریف سے جلیں اور درود خوانی کی توہین کریں۔ ہرگز انہیں اپنی مسجدوں میں نہ آنے دیں۔ والسلام

حررہ العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی ابوالبرکات سید احمد عفی عنہ

ناظم مرکزی انجمن حزب الاحناف ہند لاہور

استاد العلماء والفضلاء عالیجناب حاج الحرمین شریفین حضرت مولنا صاحبزادہ محمد حسین صاحب مہتمم دار العلوم نقشبندیہ علی پور شریف

مولوی سید احمد صاحب نے جو کچھ تحریر کیا ہے۔ مجھے ان کے ساتھ اتفاق ہے۔

بقلم محمد حسین علی پوری عفی عنہ ۱۹

کامل العلماء والفضلاء شیخ اہلسنت محی السنت قامع البدعت دافع النجدیت ابوالفقہا شمس الہدا حامی حنفیت مصنف کتب کثیرہ حضرت مولنا ابو یوسف محمد شریف خطیب جامع کوٹلی لوہاراں۔

للہ در المجیب حیث اتی بتحقیق مجیب۔ کتبہ المفتقر الی رحمتہ ربہ اللطیف عبدہ ابو یوسف محمد شریف الکوٹلوی عفی اللہ عنہ

سوالات دربارہ علم غیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم الرؤف الرحیم

عرصہ چھبیس ۲۶ پچیس ۲۵ سال کا ہوا کہ اس شہر امرتسر میں مولوی نواب دین صاحب ست کوہی اب رامداسی کے وعظ کا اس قدر چرچہ ہوا کہ قریباً چالیس روز تک لگاتار ہوتا رہا۔ اور مولوی سلام دین بھی ان کے ساتھ ساتھ ہوتے تھے، اس دوران میں علم غیب پر اختلاف ہوا۔ تو خاندان غزنویہ سے کسی نے مذکورہ مولوی صاحبان کے نام اشتہار جاری کیا۔ جس میں نفی علم غیب پر چند دلائل تحریر کئے تھے۔ اور فرضی نام عبدالسلام

چنیوٹی لکھا تھا۔ جب ان مولوی صاحبوں نے اس اشتہار کا کوئی جواب نہ دیا۔ تو پیر حفیظ اللہ صاحب مرحوم امام مسجد روڈانوالی نے اُس اشتہار کا جواب لکھا۔ تو اس کا جواب بھی وہابیوں نے لکھ دیا۔ تو اس کے بعد احقر نے عبدالسلام چنیوٹی کے ساتھ بذریعہ خط وکتابت سلسلہ بحث شروع کیا۔ مگر نہایت افسوس سے لکھا جاتا ہے۔ کہ میرا وہ مفصل مضمون جو اثبات علم غیب پر تھا۔ کہیں ضائع ہو گیا۔ صرف پہلا خط جس میں مَیں نے چند سوال کئے تھے وہ موجود ہے سو ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

نمبر اوّل:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ قولہٗ تعالیٰ اُدْعُ اِلیٰ سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ط اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ ٥ (خلاصہ ما حاصل) اللہ کے راستے کی طرف بہتر طریقہ اور حکمت کے ساتھ بلانا چاہیئے۔ اور احسن طریقہ سے بحث کرنی چاہیئے اللہ تبارک و تعالیٰ جانتا ہے۔ جو اس کے راستے پر ہے۔ اور جو گمراہ ہے۔

برادر صاحب عبدالسلام۔ السلام علیکم۔ بعدہٗ واضح رائے شریف ہو۔ کہ میری نظر سے دو اشتہار آپ کے اور ایک اشتہار پیر حفیظ اللہ صاحب کا گذرا۔ مَیں نہایت افسوس سے تحریر کرتا ہوں۔ کہ فریقین نے جو کچھ تحریر کیا ہے۔ رجماً بالغیب ہے۔ کیونکہ موضوع جب تک معین نہ ہو۔ اس کی نفی اور اثبات غیر مفید بلکہ لغو ہے۔ لہٰذا چند سوالات جو ذیل میں درج ہیں۔ آپ کی خدمت میں بذریعہ ڈاک ارسال کئے جاتے ہیں۔ آپ ان کا جواب بذریعہ ڈاک ہی ارسال فرماویں۔ اور نیز واضح ہو۔ کہ حنفیوں کے نزدیک ادلّہ جن سے ثبات اور استنباط احکام ہوتا ہے۔ چار ہیں۔ (۱) کتاب اللہ (۲) حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۳) اجماع امت (۴) قیاس جس کا ماخذ یہ تینوں ہوں۔

کَمَا قَالَ فِی الْمَنَارِ اِعْلَمْ اَنَّ الشَّرْعَ ثَلٰثَۃٌ اَلْکِتَابُ وَالسُّنَّۃُ وَاِجْمَاعُ الْاُمَّۃِ وَالْاَصْلُ الرَّابِعُ اَلْقِیَاسُ (نور الانوار ص۶ مطبوعہ مطبع سلطان المطابع) اور حنفیوں کا یہی مسلک ہے۔ پس آپ کو لازم ہے۔ کہ کتاب فقہ کا حوالہ اس وقت دیں۔ کہ جب قرآن شریف اور حدیث شریف سے ثبوت یا عدم ثبوت نہ ہے۔

سوالات

(۱) علم غیب کی تعریف اور اس کے اقسام بیان کرو۔

۲۔ خداوند کریم کے عالم الغیب ہونے کے کیا معنیٰ ہیں ؟ -
(عبدالسلام نجدی نے اپنے اشتہار میں بڑا زور اس بات پر دیا تھا۔ کہ جو چیز معلوم ہو جائے۔ وہ غیب نہیں رہتی۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو غیب کی خبریں دی ہیں۔ وہ غیب نہیں رہا۔ کیونکہ وہ باتیں آپ کو معلوم ہو گئی تھیں۔ اس پر ہم نے یہ سوال کیا تھا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے سامنے کوئی چیز پوشیدہ ہو ہی نہیں سکتی۔ تو پھر اس کو عالم الغیب کہنا کس بنا پر ہے)
۳۔ عالم الغیب والشہادۃ کے کیا معنیٰ ہیں؟ اس سوال سے دریافت طلب یہ امر ہے۔ کہ وہ کیا چیز ہے۔ جو خدا سے غیب ہے۔ اور وہ کیا چیز ہے۔ جو خدا کے سامنے ہے -؟
۴۔ زید و عمرو اور ہندہ ایک مکان میں ہیں۔ زید نے عمرو اور خداوند کریم کو شاہد نکاح بنا کر ہندہ سے نکاح کیا۔ آیا یہ نکاح شرعاً درست ہے یا نہیں۔ اگر درست ہے۔ تو اس کی کیا دلیل ہے۔ اور ایسا کرنے والے کا کیا حکم ہے؟ یہ سوال نجدی کی اس دلیل پر تھا۔ کہ اس نے بحوالہ قاضی خاں یہ لکھا تھا۔ کہ جو شخص خدا عزوجل اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شاہد نکاح مقرر کر کے نکاح کرے۔ تو یہ نکاح ناجائز اور کرنے والا مرتد ہے۔ اس وقت فتاوے قاضی خاں موجود نہ تھا۔ کہ اس میں سے اصل عبارت دیکھ کر کسی نتیجہ پر پہنچتا۔ لہٰذا اس سوال پر اکتفا کیا۔
۵۔ آیا آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو حیات النبی مانتے ہیں یا نہیں؟ نجدی نے اپنے اشتہار میں وہ حدیث شریف علم غیب کی نفی پر بطور دلیل لکھی تھی۔ کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے روز میرے حوض کی طرف کچھ لوگ آنا چاہیں گے۔ تو فرشتے ان کو روک دیں گے۔ تو میں ارشاد کرونگا۔ کہ آنے دو کہ یہ میرے ہیں۔ فرشتے کہیں گے۔ کہ انہوں نے جو کچھ آپ کے بعد کیا آپ کو معلوم نہیں۔ اس پر میں نے یہ سوال کیا تھا۔ وجہ اس کی یہ تھی۔ کہ نجدی تو اپنے گرو کی تقلید میں آ کر یہی سمجھتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرح مر کر خاک ہو گئے۔ کیونکہ تقویۃ الایمان میں ایک فرضی اور بناوٹی حدیث لکھی ہے کہ میں بھی تمہاری طرح مٹی ہونیوالا ہوں۔ (نعوذ باللہ)

جب نجدیوں کا یہ عقیدہ ہے۔ تو حدیث مذکور کو پیش کرنا بالکل غلط اور سخت نافہمی اور جہالت ہے۔ کیونکہ علم صفت ہے۔ جب موصوف ہی ان کے خیال میں موجود نہیں۔ تو صفت کا باقی رہنا ناممکن

۲۔ بالفرض اگر تسلیم کر لیا جائے۔ کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم غیب دان نہیں۔ تو بھی وہ اعتراض باقی ہے۔ جو آپ نے آیۃ (ولو کنتُ اعلمُ الغیبَ الآیۃ) کے ذیل میں تحریر کیا ہے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ نے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن مصائب اور تکالیف سے نہ بچایا۔ باوجودیکہ وہ عالم الغیب اور قادر مطلق ہے۔ اور اس کا فرمان واجب الاذعان فرقان مجید میں (واللہ یعصمک من الناس

ترجمہ:۔ یعنی اللہ لوگوں کے شر سے تجھ کو بچائے گا۔ موجود ہے۔

نجدی نے بخیال خود (وما مسّنی السوء) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا تھا۔ کہ جنگ احد میں آپ کو شکست اور دندان مبارک شہید ہوا۔ اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو ایسا کیوں ہوتا۔ اس پر میں نے یہ سوال کیا تھا۔ اور میرے سوال کا خلاصہ یہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ قادر مطلق اور عالم الغیب اور وعدہ وفا کرنے والا ہے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی تکالیف اور مصائب سے کیوں نہ بچایا۔ جو جواب آپ دوگے وہی ہماری طرف سے جواب ہوگا۔

(نجدی کا جواب سے گریز)

میں نے چھ تحریریں عبد السلام کے نام روانہ کیں۔ اور پانچ تحریریں اُس کی میرے پاس آئیں۔ مگر میرے سوالوں کے جواب کا نام تک نہ لیا۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

غلام قادر امام مسجد کوچہ مرزا متصل کوتوالی

کٹڑہ مہاں سنگھ امرتسر

۸۔ رجب المرجب ۱۳۳۲ھ مطابق ۳۔ جون سنہ ۱۹۱۴ء) موجودہ ۴/۳۸ ۸

۹ صفر سنہ ۱۳۵۷ھ

نعت شریف

شہنشاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

از رضا حجۃ قاہرہ مجدد مائۃ حاضرہ حامی سنت ماحی بدعت ناصر حنفیت قامع نجدیت قامع وہابیت اعلیٰحضرت مولٰنا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ الرحمٰن وادخلہ فی الجنان بحرمت سید بنی عدنان

پیش حق مژدہ شفاعت کا سناتے جائینگے
آپ روتے جائینگے ہم کو ہنساتے جائینگے

دل نکل جانیکی جا ہے آہ کن آنکھوں سے وہ
ہم سے پیاسوں کیلئے دریا بہاتے جائینگے

کشتگانِ گرمیٔ محشر کو وہ جانِ مسیح
آج دامن کی ہوا دیکر جلاتے جائینگے

گل کھلیگا آج یہ اُنکی نسیمِ فیض سے
خون روتے آئینگے ہم مسکراتے جائینگے

ہاں چلو حسرت زدو سنتے ہیں وہ دن آج ہے
تھی خبر جس کی کہ وہ جلوہ دکھاتے جائینگے

آج عید عاشقاں ہے گر خدا چاہے کہ وہ
ابروے پیوستہ کا عالم دکھاتے جائینگے

کچھ خبر بھی ہے فقیرو آج وہ دن ہے کہ وہ
نعمتِ خلد اپنے صدقے میں لٹاتے جائینگے

خاک افتادو بس انکے آنے کی ہی دیر ہے
خود وہ گر کر سجدے میں تم کو اٹھاتے جائینگے

وسعتیں دی ہیں خدا نے دامنِ محبوب کو
جرم کھلتے جائینگے اور وہ چھپاتے جائینگے

لو وہ آئے مسکراتے ہم اسیروں کیطرف
خرمنِ عصیاں پہ اب بجلی گراتے جائینگے

آنکھ کھولو غمزدو دیکھو وہ گریاں آئے ہیں
لوحِ دل سے نقشِ غم کو اب مٹاتے جائینگے

سوختہ جانوں پہ وہ پرجوش رحمت آئے ہیں
آبِ کوثر سے لگی دل کی بجھاتے جائینگے

آفتاب ان کا ہی چمکیگا جب اوروں کے چراغ
صرصرِ جوشِ بلا سے جھلملاتے جائینگے

پائے کوباں پل سے گزرینگے تری آواز پر
ربِّ سلّم کی صدا پر وجد لاتے جائینگے

سرورا دیں لیجئے اپنے ناتوانوں کی خبر
نفس و شیطاں سیدا کبتک دباتے جائینگے

حشر تک ڈالینگے ہم پیدائشِ مولیٰ کی دھوم
مثلِ فارس نجد کے قلعے گراتے جائینگے

خاک ہوجائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا
دم میں جب تک دم ہے ذکر انکا سناتے جائینگے